بحث جواز رقیہ واخذ الاجرۃ علیھا

الحمد للہ الذی جعل علمائنا کالمصابیح رجوما للشیاطین و ذریعۃ لخروج الناس من الظلمات الی النور قامعین للدجالین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ الہٖ وصحبہٖ اجمعین، امابعد!

فقد قال اللہ تعالیٰ فی کلامہ المجید: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ (الإسراء ۸۲)

"اَلشِّفَاءُ" قرآن کریم کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور یہ سورۃ یونس کی آیت نمبر ۵۷، سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۸۲ اور سورۃ حٰم السجدۃ کی آیت نمبر ۴۴ سے ماخوذ ہے۔ حدیث پاک میں بھی قرآن حکیم کو "اَلشِّفَاءُالنَّافِعُ" (نفع بخش شفاء) فرمایا گیا ہے۔

قرآن اور روحانی شفاء

قرآن حکیم روحانی اور جسمانی دونوں قسم کی بیماریوں کے لئے شفاء ہے۔

وَشِفَاءٌلِمَافِي الصُّدُورِ (یونس ۵۷)

اور دلوں کی صحت۔

قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ (فصلت ۴۴)

تم فرماؤ وہ ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شِفا ہے۔

ان دونوں آیات میں صراحت ہے کہ قرآن کریم سینے کے روگوں اور باطنی بیماریوں کے لئے شفاء ہے، اور سورۃ بنی اسرائیل میں قرآن کریم کو بلا تخصیص شفاء فرمایا گیا ہے۔ اس لئے علماء کرام فرماتے ہیں کہ قرآن مجید نفسیاتی اور جسمانی تمام امراض کے لئے شفاء ہے۔ وہ فرماتے ہیں: وَشِفَاءٌ لِمَافِي الصُّدُورِ (یونس ۵۷) سے اگرچہ روحانی امراض مثلاً کفر و شرک، حسد، بغض، کینہ اور غیبت

وغیرہ کی طرف اشارہ ہے، تاہم انہی امراض روحانی کے زوال سے جسمانی امراض کا سد باب بھی ہو جاتا ہے اور علاج بھی۔ اس لئے کہ قرآن حکیم کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے اگر انسان خود کو مذکورہ بالا روحانی امراض سے دور رکھے تو وہ جسمانی امراض سے بھی محفوظ رہتا ہے۔

علامہ سید محمد آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے قلبی اور نفسیاتی امراض بعض جسمانی امراض کا سبب بن جاتے ہیں، بلاشبہ ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ حسد اور کینہ جسمانی امراض کا سبب بن گئے“۔[1]

علاوہ ازیں مسلمان جب احکام قرآنی پر عمل کرتا ہے تو اسے روحانی قوت حاصل ہوتی ہے، مثلاً نمازی آدمی کو نماز کے لئے لازماً طہارت صغریٰ اور کبریٰ (وضو وغسل) پر کاربند رہنا پڑتا ہے اور اس پاکیزگی کے آثار اس کے جسم پر مرتب ہوتے ہیں۔ پانچ وقت نماز کی ادائیگی کی برکت سے نمازی کا جسم چاق و چوبند رہتا ہے، اور اسے چنداں ورزش کی حاجت نہیں رہتی۔ روزے کی حالت میں جو جسمانی فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ کسی ذی شعور پر مخفی نہیں ہیں۔ زکوٰۃ اور خیرات کی ادائیگی کی صورت میں دلوں کو جو حقیقی فرحت نصیب ہوتی ہے اس کا کوئی بدل نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ دل کی فرحت کے آثار ہر حال میں جسم پر مرتب ہوتے ہیں۔

قرآن اور جسمانی شفاء

روح اور دل کے لئے قرآن حکیم کے شفاء ہونے پر تفصیلی گفتگو اسماء قرآن ”الروح“ اور ”النور“ کے تحت ہو چکی ہے۔ اس لئے یہاں صرف قرآن حکیم کے جسمانی شفاء ہونے پر گفتگو

---

[1] (روح المعانی، ج۷، ص ۲۰۴)

ہو گی۔اس بحث میں دم درود، تعویذات کے پینے، باندھنے اور لٹکانے وغیرہ کا ذکر آئے گا اور اس کے جواز پر مدلل گفتگو ہو گی۔ والتوفیق من اللہ تعالیٰ

اصلی اور نقلی معالج

جس طرح جسمانی امراض کے معالجین کی دو قسمیں ہیں، اسی طرح روحانی امراض کے معالجین کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱۔ نقلی ۲۔ اصلی

۱۔ نقلی وہ جو ظاہری ٹھاٹ باٹ کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، اپنے مصنوعی آستانوں کی خوب آرائش اور اپنے نام کے بڑے بڑے بورڈ آویزاں کرتے ہیں۔ ان کے ناموں کے آگے پیچھے لمبے چوڑے القاب وغیرہ درج ہوتے ہیں، لیکن ان کا باطن نہایت تاریک ہوتا ہے۔ ان کے ہاں نماز و روزہ اور اعمال حسنہ کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ لوگوں کی عزت اور ناموس پر ڈاکے ڈالنا اور ان کے مال پر ہاتھ صاف کرنا ان کا اصل ہدف ہوتا ہے۔ ان کے دم اور تعویذ وغیرہ جہالت پر مبنی اور بالکل بے اثر ہوتے ہیں۔ اگر کسی سادہ شخص کو فائدہ ہو جائے تو وہ اس شخص کے ذاتی یقین کا نتیجہ ہوتا ہے، کیونکہ یقین ایک عظیم قوت ہے۔ یقین کی قوت پر یہاں ایک واقعہ کا ذکر بہت مناسب ہو گا۔ جس میں یہ بات مذکور ہے کہ ایک شخص کو کاغذ کے ایک پرزے پر چند دوائیں لکھ کر دی گئیں اور کہا گیا کہ اس کو جوش دے کر تین دن تک پیو۔ وہ مریض دواؤں کی بجائے کاغذ کے ٹکڑے کو گھول کر پی گیا اور شفا یاب ہو گیا۔

چنانچہ اردو ڈائجسٹ میں نفیس صدیقی رام پوری بیان کرتے ہیں:

"حکیم وحید احمد صدیقی جو ۲۰ جولائی ۱۹۹۱ء کو انتقال کر گئے حکم اجمل خان صاحب کے بھتیجے حکیم محمد احمد خان صاحب کا ایک واقعہ سناتے ہوئے کہنے لگے: ایک بار ایک مریض افغانستان سے آیا اور مرض کی ایسی عجیب و غریب کیفیات بیان کیں کہ تمام طالب علم سوچنے لگے، دیکھیں حکیم صاحب کیا دوائیں تجویز کرتے ہیں۔ حسب عادت مجھے حکم ہوا کہ میں نسخہ لکھوں، چنانچہ وہ دوائیں بولتے رہے اور میں لکھتا رہا۔ نسخہ مریض کے حوالے کر کے کہنے لگے: تین بار پانی میں جوش دے کر پی لینا، مریض چلا گیا اور تین دن بعد آ کر بولا کہ میں ٹھیک ہو گیا ہوں۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ تین دن اور پی لینا۔ وہ افغانی بولا "لا نسخہ دے" ہم دم بخود تھے اور سمجھ گئے کہ اب اس کی شامت آئی کیونکہ حکیم صاحب کا نسخہ کھو دینے کا مطلب تھا ان کے قہر سے دو چار ہونا لیکن حکیم صاحب نے دوبارہ نسخہ لکھ کر اسے دے دیا اور پھر طالب علموں کو مخاطب کر کے کہنے لگے، "بھئی وہ نسخہ ہی گھول کر پی گیا" تین دن بعد وہ افغانی آیا تو بالکل ٹھیک تھا۔ پوچھنے پر اس نے اقرار کیا کہ میں نے دوا نہیں بلکہ نسخہ کے تین ٹکڑے کر کے تین بار پیئے ہیں۔

اس واقعے کے بعد حکیم صاحب نے رموز طب بیان کر کے بتایا کہ عقیدہ (یقین) کس حد تک مرض کو دور کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے اور اس سلسلے میں تاریخ حکمت کے بہت واقعات ہمیں سنا دیئے"۔[2]

---

[2] (اردو ڈائجسٹ، مئی ۱۹۹۸

جب ایک حکیم کے ہاتھ سے لکھے ہوئے کاغذ کے ٹکڑے کو پینے سے مریض کو ذاتی یقین کی بدولت شفاء مل گئی، حالانکہ حکیموں سے حاصل شدہ کاغذ کو پیا نہیں جاتا تو بتلایئے ایسے یقین کے ساتھ کسی کاغذ کو تعویذ سمجھ کر پیا جائے تو کتنا فائدہ ہوگا؟

۲۔ اصلی معالجین وہ ہیں جن کی مکمل توجہ ظاہر کی بجائے باطن کو سنوارنے پر مرکوز رہتی ہے۔ وہ پیشہ ور لوگوں کی طرف صرف ظاہر کو سنوارنے میں نہیں بلکہ باطن کر روشن کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ تعویذات دیتے ہیں تو کاروبار کے طور پر نہیں بلکہ خلق خدا کو نفع پہنچانا ان کا مقصود ہوتا ہے۔ یہ پاکیزہ لوگ اجنبی عورتوں سے تنہائی میں میل جول کرنے سے پرہیز کرتے ہیں جبکہ پیشہ ور عاملین اور نجومی فقط مردوں سے پرہیز کرتے، گھبراتے اور کتراتے ہیں۔

فی زمانہ چونکہ لوگ باطن بین کم اور ظاہر بین زیادہ ہیں، اسی لئے لوگوں کا ہجوم اکثر وہاں ہوتا ہے جہاں ظاہری چمک دمک ہو۔ معالجین کی ان دو قسموں میں فرق اور شناخت کے بارے میں ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ ایسے دجال صفت معالجین اور ان کے پاس جانے والے لوگوں کے متعلق شرعی حکم اس باب کے آخر میں بیان کیا جائے گا۔

قرآن مجید کے شفاء جسمانی ہونے پر دلائل

پہلے آیات قرآنی اور ان کی تفسیر، پھر احادیث مبارکہ اور ان کی تشریح، پھر علماء اسلام کی عبارات اور آخر میں شبہات، اعتراضات اور ان کے جوابات پیش کئے جائیں گے۔

قرآن کریم کے شفاء جسمانی ہونے پر مفسرین کرام کی آراء

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۸۲ کے تحت علماء کرام نے قرآن حکیم کے جسمانی شفاء ہونے پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور اس امر پر بھی گفتگو کی ہے کہ آیا پورا قرآن کریم شفاء ہے یا صرف اس کے بعض مقامات؟ آیئے اس سلسلے میں تفاسیر پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ (الإسراء ۸۲)

اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔

علامہ ماوردی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں تین وجوہ کا احتمال ہے۔

جن میں سے دو یہ ہیں:

ا۔ ایک یہ کہ قرآن گمراہی سے شفاء ہے کیونکہ اس میں ہدایت ہے۔

۲۔ الثاني: شفاء من السقم، لما فيه من البركة۔

دوم یہ ہے کہ اس میں جسمانی بیماریوں سے شفاء ہے کیونکہ اس میں برکت ہے۔[3]

امام ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی لکھا ہے۔[4]

امام ابن عطیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اور احتمال ہے کہ اس شفاء سے مراد قرآن کریم کا دم اور تعویذات وغیرہ کے ذریعہ بیماریوں میں نفع پہنچانا ہو"۔[5]

---

[3] (النکت والعیون، ج۳، ص ۲۶۸)

[4] (زادالمسیر، ج۵، ص ۵۸)

[5] (المحرر الوجیز، ج۳، ص ۴۸۰)

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وقیل إنه للتبعیض والمعنی أن منه مایشفي من المرض کالفاتحة وآیات الشفاء۔[6]

علامہ ابو السعود رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔[7]

علامہ نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ومن الأمراض الجسمانية أيضا لما في قراءته من التيمن والبركة وحصول الشفاء للمرض کماقال صلی اللہ علیه وسلم: من لم یستشف بالقرآن فلاشفاه الله۔[8]

اور قرآن مجید امراض جسمانی کے لئے بھی شفاء ہے کیونکہ اس کی قرأت میں برکت اور نفع ہے اور بیماری کے لئے شفاء ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: جو شخص قرآن حکیم سے شفاء حاصل نہ کرے تو اسے اللہ تعالیٰ شفاء نہیں دیتا۔

علامہ عارف صاوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

فالقرآن قلیله وکثیره شفاء من الامراض الحسیة الظاهریة۔[9]

مشہور غیر مقلد عالم قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

"اہل علم کا قرآن کریم کے شفاء ہونے میں اختلاف ہے اور اس میں ان کے دو اقوال ہیں:

ا۔ قرآن کریم دلوں کے لئے شفاء ہے کیونکہ اس سے اللہ جل جلالہ کی وحدانیت پر دلالت کرنے والے امور سے جہالت اور شکوک کے پردے زائل ہو جاتے ہیں۔

---

[6] (تفسیر بیضاوی، ج ۱، ص ۵۸۰)
[7] (ارشادالعقل السلیم، ج۵، ص ۱۹۱)
[8] (غرائب القرآن، ج۴، ص ۳۷۹)
[9] (حاشیۃالصاوی، ج۳، ص ۵۱۳)

۲۔ قرآن مجید دم اور تعویذ وغیرہ کے ذریعے ظاہری امراض کے لئے شفاء ہے، اور اس شفاء کو دونوں معنوں پر محمول کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے"۔[10]

نواب صدیق حسن قنوجی بھوپالی غیر مقلد نے بھی بعینہ اسی طرح لکھا ہے۔[11]

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

أَمَّا كَوْنُهُ شِفَاءً مِنَ الْأَمْرَاضِ الْجِسْمَانِيَّةِ فَلِأَنَّ التَّبَرُّكَ بِقِرَاءَتِهِ يَدْفَعُ كَثِيرًا مِنَ الْأَمْرَاضِ. وَلَمَّا اعْتَرَفَ الْجُمْهُورُ مِنَ الْفَلَاسِفَةِ وَأَصْحَابِ الطِّلَّسْمَاتِ بِأَنَّ لِقِرَاءَةِ الرُّقَى الْمَجْهُولَةِ وَالْعَزَائِمِ الَّتِي لَا يُفْهَمُ مِنْهَا شَيْءٌ آثَارًا عَظِيمَةً فِي تَحْصِيلِ الْمَنَافِعِ وَدَفْعِ الْمَفَاسِدِ, فَلِأَنْ تَكُونَ قِرَاءَةُ هَذَا الْقُرْآنِ الْعَظِيمِ الْمُشْتَمِلِ عَلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَكِبْرِيَائِهِ وَتَعْظِيمِ الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ وَتَحْقِيرِ الْمَرَدَةِ وَالشَّيَاطِينِ سَبَبًا لِحُصُولِ النَّفْعِ فِي الدِّينِ وَالدُّنْيَا كَانَ أَوْلَى وَيَتَأَكَّدُ مَا ذَكَرْنَا بِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ لَمْ يَسْتَشْفِ بِالْقُرْآنِ فَلَا شَفَاهُ اللَّهُ تَعَالَى۔[12]

قرآن جسمانی امراض کے لئے شفاء ہے کیونکہ اس کی تلاوت کی برکت سے بہت سی بیماریاں دفع ہو جاتی ہیں اور جب اکثر فلاسفہ اور اہل طلسمات نے اعتراف کیا ہے کہ مجہول جھاڑ پھونک اور ایسے منتر جن کا کچھ بھی مفہوم نہیں سمجھا جاسکتا، منافع حاصل کرنے میں اور مصائب دفع کرنے میں عظیم تاثیر رکھتے ہیں تو قرآن عظیم کی تلاوت جو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر جلال اور اس کی کبریائی پر اور مقربین ملائکہ کی تعظیم پر اور سرکشوں اور شیطانوں کی تحقیر پر مشتمل ہے، ضرور دینی اور دنیوی منافع کے حصول کا سبب ہے، اور یہ حقیقت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے اس فرمان سے

---

10 (فتح القدیر، ج۳، ص ۳۰۰)
11 (فتح البیان، ج۷، ص ۴۴۴)
12 (التفسیر الکبیر، ج ۲۱، ص ۲۹)

مؤکد ہو جاتی ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: جو شخص قرآن مجید سے شفاء حاصل نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اسے شفاء نہیں دیتا۔

شیخ جمال الدین قاسمی نے امام رازی کی عبارت نقل کرکے آپ کی تائید کی ہے اور امام خازن اور علامہ جمل نے امام رازی کے کلام کا اول حصہ نقل کیا ہے۔[13]

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

و من ھاھنا لبیان الجنس لا للتبعیض فإن القر آن کله شفاء۔[14]

اور یہاں لفظ ''مِنْ'' بیان جنس کے لئے ہے تبعیض کے لئے نہیں، کیونکہ قرآن سب کا سب شفاء ہے۔

ایک اور مقام پر ابن قیم لکھتے ہیں:

فَالْقُرْآنُ هُوَ الشِّفَاءُ التَّامّ مِنْ جَمِيعِ الْأَدْوَاءِ الْقَلْبِيّةِ وَالْبَدَنِيّةِ وَأَدْوَاءِ الدّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا كُلّ أَحَدٍ يُؤَهّلُ وَلَا يُوَفّقُ لِلِاسْتِشْفَاءِ بِهِ وَإِذَا أَحْسَنَ الْعَلِيلُ التّدَاوِيَ بِهِ وَوَضَعَهُ عَلَى دَائِهِ بِصِدْقٍ وَإِيمَانٍ وَقَبُولٍ تَامّ وَاعْتِقَادٍ جَازِمٍ وَاسْتِيفَاءِ شُرُوطِهِ لَمْ يُقَاوِمْهُ الدّاءُ أَبَدًا وَكَيْفَ تُقَاوِمُ الْأَدْوَاءُ كَلَامَ رَبّ الْأَرْضِ وَالسّمَاءِ الّذِي لَوْ نَزَلَ عَلَى الْجِبَالِ لَصَدّعَهَا أَوْ عَلَى الْأَرْضِ لَقَطّعَهَا فَمَا مِنْ مَرَضٍ مِنْ أَمْرَاضِ الْقُلُوبِ وَالْأَبْدَانِ إلّا وَفِي الْقُرْآنِ سَبِيلُ الدّلَالَةِ عَلَى دَوَائِهِ وَسَبَبِهِ۔[15]

پس قرآن تمام قلبی اور بدنی دنیوی اور اخروی بیماریوں کے لئے مکمل شفاء ہے لیکن ہر کوئی قرآن سے شفاء حاصل کرنے کا اہل اور لائق نہیں، اور جب بھی بیمار شخص نے بہترین طریقہ سے قرآن سے علاج کیا اور اسے صدق و ایمان، قبول تام، یقین کامل اور تمام شرائط کو پورا کرتے ہوئے

13 (تفسیر القاسمی، ج۴، ص۷۱۶، تفسیر الخازن، ج۴، ص۱۸۰، الفتوحات الالٰھیة، ج۲، ص۶۴۴)

14 (التفسیر القیم، ص۳۴۸)

15 (زادالمعاد، ج۴، ص۳۲۲)

اپنی بیماری پر استعمال کیا تو بیماری اس کے سامنے ٹھہر نہیں سکی، اور بھلا کس طرح بیماریاں زمین و آسمان کے پروردگار کے کلام کا مقابلہ کر سکتی ہیں، جبکہ اس کی شان یہ ہے کہ یہ اگر پہاڑوں پر نازل ہوتا تو وہ پھٹ جاتے اور اگر زمین پر نازل ہوتا تو اسے کاٹ کر رکھ دیتا۔ پس قلبی اور بدنی امراض میں سے کوئی مرض ایسا نہیں ہے جس کے سبب کی اور اس کی دوا کی قرآن میں روشن دلیل نہ ہو۔

ایک اور مقام پر علامہ ابن قیم سورۃ الفاتحہ کے شفاء ہونے پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنن میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: ''خیر الدواء القرآن'' بہترین دواء قرآن ہے، اور یہ معلوم شدہ حقیقت ہے کہ بعض کلاموں کے خواص اور منافع مجرب ہیں تو تمہارا کیا گمان ہے رب العالمین کے کلام کے بارے میں، جس کو ہر کلام پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی فضیلت اس کی مخلوق پر۔ وہ قرآن جو شفاء تام ہے، مفید پناہ گاہ ہے، ہدایت بخشنے والا نور ہے اور رحمت عامہ ہے کہ جو کسی پہاڑ پر نازل کیا جاتا تو وہ پہاڑ اس کی عظمت اور جلالت سے پھٹ جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن وہ جو شفاء اور رحمت ہے مومنین کے لئے اور یہاں حرف ''مِنْ'' بیان جنس کے لئے ہے نہ کہ تبعیض کے لئے، یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ پھر تمہارا سورۃ الفاتحہ کے بارے میں کیا گمان ہے جس کی مثل خود قرآن میں، تورات میں، انجیل میں اور زبور میں کوئی اور سورۃ نازل نہیں کی گئی''۔[16]

علامہ ابن قیم کی طرح اکثر علماء نے اس آیت مبارکہ میں لفظ ''مِنْ'' کو بیان جنس کے لئے قرار دیا ہے۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ قرآن کے بعض حصے ہی صرف شفاء نہیں بلکہ مکمل قرآن شفاء ہے۔

---

16 (زادالمعاد، ج۴، ص ۱۶۲، ۱۶۳)

علامہ موافق الدین بغدادی لکھتے ہیں:

"جان لو کہ بعض کلاموں میں خاص تاثیر ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نفع دیتے ہیں۔ علماء نے اس کی صحت پر گواہی دی ہے۔ پھر تمہارا اللہ تعالیٰ کے کلام کے بارے میں کیا گمان ہے؟ جبکہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ قرآن بہترین دوا ہے"۔[17]

قرآن عظیم الشان کے شفاء جسمانی ہونے پر احادیث و آثار

قرآن کریم کی آیات اور ان کی تفسیر کے بعد اب ہم احادیث مبارکہ کا اندراج کر رہے ہیں تاکہ ان احادیث سے مفسرین علماء کرام کی عبارات کی تائید بھی ہو جائے۔

نوٹ: ہمارا مقصود تو یہ ہے کہ ہم قرآن کریم کے جسمانی شفاء ہونے پر دلائل مہیا کریں تاکہ قرآن کریم سے جسمانی شفاء کے حصول کا قصد کرنے والے لوگوں کو ضعیف الاعتقاد نہ قرار دیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے فقط احادیث کا یکجا اندراج کرنا بھی کافی تھا، لیکن ہم قارئین کی سہولت اور ان کے مفاد کے پیش نظر فقط احادیث کا یکجا اندراج کرنا بھی کافی تھا، لیکن ہم قارئین کی سہولت اور ان کے مفاد کے پیش نظر فقط احادیث کا اندراج کرنے کی بجائے انہیں مختلف عنوانات کے تحت پیش کر رہے ہیں تاکہ ہمارے معزز قارئین کو معلوم ہو تا جائے کہ کس بیماری کے لئے کون سا روحانی علاج ہے۔

---

[17] (الطب من الکتاب والسنۃ، ص ۱۹۱)

قرآن مجید میں یقیناً شفاء ہے

تعویذات میں عموماً قرآن مجید کی آیات اور اسمائے الٰہی لکھے ہوئے ہوتے ہیں اور ان ہی کو پڑھ کر دم کیا جاتا ہے، لہٰذا تعویذات سے استفادہ کرنے والا قرآن سے شفاء طلب کرنے والا ہے اور یقیناً قرآن کریم میں شفاء ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَاهُوَ شِفَاءٌوَرَحْمَةٌلِلْمُؤْمِنِينَ (الإسراء ۸۲)

اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفااور رحمت ہے۔

یہی مضمون احادیث میں بھی موجود ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم خیر الدواء القرآن۔[18]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ قرآن بہترین دواء ہے۔

قرآن عظیم الشان اور شہد شفاء ہیں

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

عَلَيْكُم بالشِّفَاءَيْنِ: العَسَلِ و القُرآنِ۔[19]

تم دو شفاؤں کو لازم پکڑو! شہد اور قرآن مجید۔

---

18 (سنن ابن ماجہ، باب الاستشفاء بالقرآن، ج ۲، ص ۱۱۶۹، دار الکتب العربیة، مصطفیٰ البانی، مصر)

19 (سنن ابن ماجہ، باب العسل، ج ۲، ص ۱۱۴۲، رقم الحدیث: ۳۴۵۲)

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ یہ حدیث امام حاکم نے بھی ذکر فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ کی شرط پر صحیح ہے اور علامہ ذہبی نے امام حاکم کی تائید کی ہے، امام بوصیری نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔[20]

نیز یہ حدیث امام ابن ابی شیبہ، امام ابن ابی حاتم، امام بیہقی، امام دیلمی، امام ذہبی، ابن قیم، امام سیوطی، علامہ موفق الدین بغدادی، علامہ تیفاشی اور خطیب تبریزی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی ذکر کی ہے۔[21]

اور تفاسیر میں اس آیت کے تحت مفسرین کرام نے قرآن مجید کے شفاء ہونے کو بیان کیا ہے۔

چنانچہ ابن قیم نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا:

ومن ھھنا لبیان الجنس لا للتبعیض فإن القرآن کلہ شفاء۔[22]

ترجمہ: من یہاں پر بیان جنس کے لئے ہے، تبعیضیہ نہیں ہے کہ قرآن مجید تو کل کا کل ہی شفاء ہے۔

---

20 (المستدرک للحاکم رقم الحدیث: ۷۵۱۲، ۷۵۱۳، ۷۵۱۴، ۷۵۷۵، ۷۲۷۵، زوائد ابن ماجہ، ص ۴۴۹)

21 (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۲۳۶۷۹، تفسیر ابن ابی حاتم، ج۷، ص ۲۲۹۰، شعب الایمان، ج۲، ص ۵۱۹، سنن الکبریٰ للبیہقی، ج۹، ص ۵۷۹، الفردوس بمأثور الخطاب، ج۳، ص ۵۶، الطب النبوی، ص ۲۷۰، زاد المعاد، ج۴، ص ۳۲، المنہج السوی، ص ۳۰۳، الدر المنثور، ج۴، ص ۲۳۰، مشکوٰۃ، رقم الحدیث: ۴۵۷۱)

22 (التفسیر القیم، سورۃ الاسراء تحت الآیۃ ۸۲، ج ۱، ص ۳۶۳، مکتبہ ھلال، بیروت)

قرآن مجید جسمانی بیماریوں کے لئے بھی شفاء ہے

علامہ ماوردی شافعی اور علامہ ابن جوزی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس آیت وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ (الإسراء ۸۲) کی تفسیر میں لکھا:

{وننزل من القرآن ما هو شفاءٌ ورحمةٌ للمؤمنين} يحتمل ثلاثة أوجه: أحدها: شفاء من الضلال, لما فيه من الهدى. الثاني: شفاء من السقم, لما فيه من البركة. الثالث: شفاء من الفرائض والأحكام, لما فيه من البيان۔[23]

ترجمہ: قرآن شفاء ہے اس میں تین احتمالات ہیں:

۱۔ قرآن گمراہی سے شفاء ہے، کیونکہ اس میں ہدایت ہے۔

۲۔ قرآن جسمانی بیماریوں سے شفاء ہے کیونکہ اس میں برکت ہے۔

۳۔ قرآن فرائض اور احکام سے شفاء ہے کیونکہ اس میں ان کا بیان ہے۔

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

والمعنى أن منه ما يشفي من المرض كالفاتحة وآيات الشفاء۔[24]

ترجمہ: مطلب یہ کہ قرآن مجید میں وہ ہے جو مرض کے لئے شفاء ہے جیسا کہ فاتحہ اور آیات شفاء۔

---

[23] (النکت والعیون، ج۳، ص۲۶۸، دارالکتب العلمیة، بیروت، زاد المیسر فی علم التفسیر، سورة الاسراء تحت الآیة ۸۲، ج۳، ص ۴۹، دارالکتاب العربی، بیروت)

[24] (تفسیر بیضاوی، سورة الاسراء تحت الآیة ۸۲، ج۳، ص ۲۶۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

شفاء من الأمراض الروحانية كالعقائد الفاسدة والأخلاق الذميمة ومن الأمراض الجسمانيةأيضاًلمافي قراءته من التيمن والبركة وحصول الشفاء للمرض كما قال صلى الله عليه وسلم: من لم يستشف بالقرآن فلا شفاه الله۔[25]

ترجمہ: قرآن امراض روحانیہ سے شفاء ہے جیسا کہ برے عقائد اور برے اخلاق سے شفاء دیتا ہے اور امراض جسمانیہ سے بھی شفاء ہے کیونکہ اس کی قرأت میں برکت اور بیماریوں سے شفاء ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص قرآن مجید سے شفاء حاصل نہ کرے تو اسے اللہ تعالیٰ شفاء نہیں دیتا۔

قرآن مجید سے دم کرکے اور تعویذ لکھ کر شفاء حاصل کرنا

شوکانی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا:

وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ في معنى كونه شفاء على القولين الْأَوَّلُ: أَنَّهُ شِفَاءٌ لِلْقُلُوبِ بِزَوَالِ الْجَهْلِ عَنْهَا وَذَهَابِ الرَّيْبِ وَكَشْفِ الْغِطَاءِ عَنِ الْأُمُورِ الدَّالَّةِ عَلَى اللَّهِ سُبْحَانَهُ. الْقَوْلُ الثَّانِي: أَنَّهُ شِفَاءٌ مِنَ الْأَمْرَاضِ الظَّاهِرَةِ بِالرُّقَى وَالتَّعَوُّذِ وَنَحْوِ ذَلِكَ، وَلَا مَانِعَ مِنْ حَمْلِ الشِّفَاءِ عَلَى الْمَعْنَيَيْنِ مِنْ بَابِ عُمُومِ الْمَجَازِ، أَوْ مِنْ بَابِ حَمْلِ الْمُشْتَرَكِ عَلَى مَعْنَيَيْهِ۔[26]

ترجمہ: قرآن پاک کے شفاء ہونے کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے، اس بارے میں دو قول ہیں:

ا۔ یہ دلوں کو شفاء دیتا ہے اس طرح کہ اس سے جہالت، شک اور اللہ تعالیٰ پر دلالت کرنے والے امور سے پردے ختم ہو جاتے ہیں۔

---

[25] (تفسیر غرائب القرآن، ج۴ص ۳۷۹، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

[26] (تفسیر فتح القدیر للشوکانی، سورۃ الاسراء تحت الآیۃ ۸۲، ج۳، ص ۳۰۰، دار ابن کثیر، بیروت)

۲۔ قرآن مجید دم اور تعویذ وغیرہ کے ذریعہ ظاہری امراض کے لئے شفاء ہے۔ شفاء کو ان دونوں معنوں پر محمول کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے، عموم مجاز کے طور پر یا مشترک کو دو معنوں پر محمول کرتے ہوئے۔

علامہ فخر الدین رازی، صاحب تفسیر خازن اور صاحب تفسیر قاسمی رحمہم اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وأما كونه شفاء من الأمراض الجسمانية , فلأن التبرك بقراءته يدفع كثيراً من الأمراض، ولما اعترف الجمهور من الفلاسفة وأصحاب الطلسمات بأن لقراءة الرقي المجهولة والعزائم التي لا يفهم منها شيء آثارا عظيمة في تحصيل المنافع ودفع المفاسد- فلأن تكون قراءة هذا القرآن العظيم، المشتمل على ذكر جلال الله وكبريائه، وتعظيم الملائكة المقربين، وتحقير المردة والشياطين سببا لحصول النفع في الدين والدنيا- كان أولى. ويتأكد ماذكرنا بحديث: (من لم يستشف بالقرآن فلا شفاه الله تعالى)۔[27]

اچھے طریقے سے علاج کیا جائے تو قرآن مجید میں ہر بیماری کا علاج ہے

زاد المعاد میں ابن قیم نے لکھا ہے:

فالقرآنُ هو الشِّفاء التام مِن جميع الأدواء القلبية والبدنية، وأدواءِ الدنيا والآخرة، وما كُلُّ أحدٍ يُؤهَّل ولا يُوفَّق للاستشفاء به، وإذا أحسن العليل التداوىَ به، ووضعَه على دائه بصدقٍ وإيمان، وقبولٍ تام، واعتقادٍ جازم، واستيفاءِ شروطه، لم يُقاوِمْهُ الداءُ أبداً. وكيف تُقاوِمُ الأدواءُ كلامَ ربِّ الأرض والسماءِ الذى لو نزل على الجبال، لصَدَعَهَا، أو على

---

[27] (تفسیر کبیر، سورۃ الاسراء تحت الآیۃ ۸۲، ج ۲۱، ص ۳۹۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، تفسیر القاسمی، ج ۶، ص ۴۹۷، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، تفسیر خازن، سورۃ الاسراء تحت الآیۃ ۸۲، ج ۳، ص ۱۴۴، دار الکتب العلمیۃ)

الأرض، لقطعها، فما مِن مرضٍ من أمراض القُلوبِ والأبدان إلا وفی القُرآن سبیلُ الدلالة علی دوائه وسببه۔[28]

ترجمہ: قرآن پاک تمام امراض قلبیہ اور بدنیہ، امراض دنیا وآخرۃ کے لئے کامل شفاء ہے، ہر کوئی قرآن پاک سے شفاء حاصل کرنے کا اہل نہیں، جب بیمار نے اچھے طریقے سے قرآن سے علاج کیا اور صدق، ایمان، اعتقاد جازم اور حصول شفاء کی شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے اسے بیماری پر استعمال کیا تو بیماری اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اور بیماری کیسے زمین و آسمان کے رب کے کلام کا مقابلہ کر سکتی ہے، وہ کلام کہ اگر اسے پہاڑوں پر نازل کیا جاتا تو اسے کاٹ دیتا، پس امراض قلبیہ اور امراض جسمانیہ میں کوئی ایسا مرض نہیں ہے جس کا سبب اور اس کی دواء کی قرآن میں دلالت نہ ہو۔

زاد المعاد ہی میں ہے:

من المعلوم أنَّ بعض الکلام له خواصٌ و منافعُ مُجرَّبة، فما الظنُّ بکلام ربّ العالمین، الذی فَضْلُهُ علی کل کلامٍ کفضلِ اللهِ علی خلقه الذی هو الشفاءُ التام، والعِصْمةُ النافعة، والنورُ الهادی، والرحمة العامة، الذی لو أُنزِلَ علی جبل لتَصَدَّعَ من عظمته وجلالته. قال تعالی: {وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَاهُوَ شِفَاءٌوَرَحْمَةٌلِّلْمُؤْمِنِینَ}[الإسراء:82]. و"مِن" ههنا لبیان الجنس لا للتبعیض۔۔۔۔ فما الظنُّ بفاتحة الکتاب التی لم یُنزل فی القرآن، ولا فی التوراة، ولا فی الإنجیل، ولا فی الزَّبور مِثلُها۔[29]

ترجمہ: یہ بات معلوم ہے کہ بعض کلاموں کے خواص اور منافع مجربہ ہیں، تو تمہارا اللہ تعالیٰ کے کلام کے بارے میں کیا گمان ہے جس کو تمام کلاموں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسی فضیلت اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر ہے، وہ قرآن جو شفائے تام ہے، نافع پناہ گاہ ہے، نور ہدایت ہے، رحمت عامہ ہے، اگر

---

28 (زاد المعاد لابن القیم، باب القرآن، ج۴، ص ۳۲۲، موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

29 (زاد المعاد لابن قیم ملخصًا، باب القرآن، ج۴، ص ۱۶۲، موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

وہ کسی پہاڑ پر نازل کیا جاتا تو وہ پہاڑ اس کی عظمت و جلالت سے پھٹ جاتا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ}(الإسراء: ٨٢) اور من یہاں بیانِ جنس کے لئے ہے نہ کہ تبعیض کے لئے، (جب قرآن کریم مکمل شفاء ہے تو) سورۃ الفاتحہ کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے کہ جس کی مثل خود قرآن میں نازل نہ ہوئی، اور نہ ہی تورات، انجیل اور زبور میں نازل ہوئی۔

(احکام تعویذات مع تعویذات کا ثبوت، ص ۱۱تا۱۷)

حلق کے درد کے لئے تلاوت کا حکم

امام بیہقی حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

أن رجلا شكى إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وجع حلقه فقال: "عليک بقراءة القرآن"۔[30]

یہ حدیث امام سیوطی نے بھی ذکر فرمائی ہے۔[31]

بچھو کے کاٹے کا علاج

امام بیہقی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو بچھو نے کاٹ لیا اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، جب سلام پھیرا تو فرمایا: اللہ تعالیٰ بچھو پر لعنت فرمائے، یہ نہ نمازی کو چھوڑتا ہے اور نہ

---

30 (شعب الایمان، ج۲، ص ۵۱۹)

31 (الاتقان، ج۲، ص ۳۹۱)

غیر نمازی کو۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے پانی میں نمک ملا کر اس پر سورۃ الفلق، سورۃ الناس اور سورۃ الاخلاص پڑھی اور اس پانی کو درد کی جگہ ملنے لگے حتیٰ کہ تکلیف ختم ہو گئی۔[32]

علامہ ابن قیم نے یہ حدیث امام ابن ابی شیبہ کے حوالے س حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے، اس کے آخر میں "حتیٰ سکنت" (یہاں تک کہ سکون ہو گیا) کے الفاظ بھی ہیں۔[33]

علامہ ابن قیم نے کہا ہے کہ یہ حدیث امام ابن ابی شیبہ کی "المسند" میں ہے، حالانکہ یہ حدیث ان کی "المسند" کے مطبوع نسخے میں نہیں ہے، البتہ یہ حدیث ان کی "المصنف" میں موجود ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہیں بلکہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

دیکھیئے: (مصنف ابن ابی شیبة، ج ۵، رقم الحدیث: ۲۳۵۴۳)

یہ حدیث امام طبرانی نے بھی ذکر کی ہے۔[34]

حافظ ہیثمی نے فرمایا اس کی سند حسن ہے۔[35]

جنون کے لئے دم

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ "حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر تھا کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کیا: یا نبی اللہ! میرے بھائی کو ایک بیماری ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

---

[32] (شعب الایمان ملخصًا، ج ۲، ص ۵۱۸)
[33] (زاد المعاد، ج ۴، ص ۱۶۵)
[34] (المعجم الصغیر، رقم الحدیث: ۸۳۰)
[35] (مجمع الزوائد، ج ۵، ص ۱۹۱، رقم الحدیث: ۸۴۴۵)

وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اسے کیا بیماری ہے؟ اس نے عرض کی اسے جنون یا آسیب ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اسے ہمارے پاس لاؤ۔ (وہ اسے لایا) پھر آپ کے سامنے ڈال دیا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اسے سورۃ الفاتحہ، سورۃ البقرۃ کی ابتدائی چار آیات، سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۶۳، ۱۶۴، آیۃ الکرسی اور سورۃ البقرۃ کی آخری تین آیات، سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۸، سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۵۴، سورۃ المومنون کی آخری تین آیات، سورۃ الجن کی آیت نمبر ۳، سورۃ الصّٰفّٰت کی ابتدائی دس آیات، سورۃ الحشر کی آخری تین آیات، سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس سے دم فرمایا تو وہ مریض کھڑا ہو گیا۔ گویا اسے کبھی شکایت ہوئی ہی نہ تھی۔[36]

یہ حدیث امام عبد اللہ بن احمد، امام ابو یعلیٰ، امام طبرانی، امام حاکم، امام ابن السنی، امام بوصیری اور امام سیوطی نے بھی ذکر فرمائی ہے۔[37]

امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"ھذا حدیث محفوظ صحیح"۔

یہ حدیث محفوظ اور صحیح ہے۔

اور امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اس حدیث کی سند حسن ہے۔

---

36 (مسند احمد، ج۵، س۱۲۸، طبع قدیم و طبع جدید، ج۷، رقم الحدیث: ۲۱۴۹۳)

37 (الزوائد لعبداللہ بن احمد، ص۲۸۷، مسند ابی یعلیٰ، رقم الحدیث: ۱۵۹۱، کتاب الدعاء للطبرانی۔ ص۳۳۰، المستدرک للحاکم، رقم الحدیث: ۸۳۱۹، عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی، رقم الحدیث: ۶۳۲، اتحاف الخیرۃ المھرۃ، ج۴، ص۴۶۱، رقم الحدیث: ۳۹۳۸، الاتقان، ج۲، ص۳۶۰)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اس کی سند میں ایک شخص ابوجناب ہے جو کثرت تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

لیکن امام ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی توثیق فرمائی ہے اور اس حدیث کے دیگر تمام راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں۔[38]

قرآن عظیم الشان یقین کے ساتھ پہاڑ پر بھی پڑھا جائے تو وہ زائل ہو جائے

امام ابویعلیٰ الموصلی لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی بیماری میں مبتلا ایک شخص کے کان میں کچھ پڑھا تو وہ ہوش میں آگیا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے دریافت کیا: تم نے اس کے کان میں کیا پڑھا؟ عرض کی میں نے اس کے کان میں سورۃ المومنون کی آخری آیات پڑھیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: ان آیات کو کوئی یقین والا شخص اگر کسی پہاڑ پر پڑھے تو وہ بھی زائل ہو جائے۔[39]

مسند ابی یعلیٰ کے معلق نے اس حدیث کی سند پر تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کی سند میں ابن لھیعہ ہے اور اس میں اختلاف مشہور ہے، لیکن ابن وھب نے اس سے اس کی کتابوں کے جل جانے سے قبل سماعت کی ہے، لہٰذا یہ حدیث حسن یا صحیح ہے۔

---

[38] (مجمع الزوائد، ج۵، ص ۱۶۵)

[39] (مسند ابی یعلیٰ، ج۴، ص ۳۴۵، رقم الحدیث: ۵۰۲۳)

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں ایک شخص ابن لھیعہ ہے اور اس میں ضعف ہے اور اس کی حدیث حسن ہے، اور اس حدیث کے باقی تمام راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں۔[40]

یہ حدیث حکیم ترمذی، امام ابو عبید، امام طبرانی، امام ابو نعیم، امام ابن السنی اور امام سیوطی نے بھی ذکر فرمائی ہے۔[41]

حدیث مذکور میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طرز عمل سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنی فکر اور صواب دید سے قرآن عظیم الشان کی کوئی آیت کسی مرض کے ازالہ کے لئے پڑھے تو یہ جائز ہو گا، کیونکہ مکمل قرآن عظیم الشان شفاء ہے، جیسا کہ آئندہ صفحات میں آرہا ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے اجتہاد سے سورۃ الفاتحہ پڑھ کر ایک مریض کو دم کیا تو وہ فوراً شفاء یاب ہو گیا۔ یہ حدیث متعدد حوالہ جات کے ساتھ آگے آرہی ہے۔

کسی بھی مرض کے ازالے کے لئے مجرب عمل

امام بیہقی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے سورۃ الانعام کی نسبت فرمایا کہ یہ جب بھی کسی قسم کے بیمار پر پڑھی گئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفاء دی۔[42]

---

40 (مجمع الزوائد، ج۵، ص۱۱۵)

41 (نوادر الاصول، ج۳، ص۱۷۲، فضائل القرآن، ص۱۵۱، کتاب الدعاء للطبرانی، ص۳۳۱، حلیۃ الاولیاء، ج۱، ص۷، عمل الیوم واللیلۃ، رقم الحدیث: ۶۲۳۱، الاتقان، ج۲، ص۳۹۷، الدر المنثور، ج۵، ص۳۴)

42 (شعب الایمان، ج۲، ص۴۷۱، الاتقان، ج۲، ص۳۹۵)

امام سیوطی لکھتے ہیں: علامہ ابن التین فرماتے ہیں:

"معوذات (یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) اور دیگر اسماء الٰہیہ طب روحانی ہیں۔ جب یہ الفاظ ابرار کی زبان پر جاری ہوں تو باذن الٰہی شفاء حاصل ہو جاتی ہے۔ سو جب سے طب روحانی کی اس صورت میں کمی واقع ہوئی لوگوں نے طب جسمانی کا سہارا لے لیا"۔

امام سیوطی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر قرآن عظیم الشان پہاڑ پر بھی پڑھا جائے تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔[43]

علامہ ابن قیم قوتِ یقین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَكُلَّمَا كَانَتْ كَيْفِيَّةُ نَفْسِ الرَّاقِي أَقْوَى كَانَتِ الرُّقْيَةُ أَتَمّ۔[44]

دم کرنے والے کی کیفیت روحانی جس قدر قوی ہوگی اسی قدر اس کے دم کی تاثیر زیادہ ہوگی۔

قرآن عظیم الشان اور اسماء الٰہیہ کو گھول کر پینے کا بیان

امام سیوطی لکھتے ہیں:

امام بیہقی کتاب الدعوات میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جس عورت کے ہاں بچہ کی ولادت مشکل ہوتی آپ اس کے لئے ایک پرچہ میں یہ تعویذ لکھتے:

لا الہ الا اللہ الحلیم الکریم سبحان اللہ رب العرش العظیم، الحمد للہ رب العالمین، كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ بَلَاغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ (الاحقاف ۳۵) كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا (النازعات ۴۶)

---

[43] (الاتقان، ج۲، ص ۴۰۰)
[44] (زادالمعاد، ج۴، ص ۱۶۵)

پھر یہ تعویذ اس عورت کو پلایا جاتا۔[45]

یہ حدیث امام ابن ابی شیبہ، امام ابن السنی، ابن تیمیہ، امام ذہبی، علامہ ابن قیم اور علامہ ازرق نے بھی ذکر کی ہے۔[46]

بچے کی با آسانی پیدائش کے لئے تعویذ

امام خلال کہتے ہیں: ہمیں ابو بکر المروزی نے بیان کیا کہ ابو عبد اللہ امام احمد ابن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا: اے ابو عبد اللہ! دو دن سے ایک عورت بچے کی ولادت کی مشکل میں مبتلاء ہے، آپ اس کے لئے ایک تعویذ لکھ دیں۔ آپ نے فرمایا: تم ایک کھلا پیالہ اور زعفران لے آؤ۔ امام مروزی فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو بہت سے لوگوں کے لئے یہ تعویذ لکھتے ہوئے دیکھا، اور انہوں نے حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک گائے کے قریب سے گزرے، جس پر اس کے بچے کی ولادت مشکل ہو گئی تھی۔ گائے نے آپ سے عرض کیا: اے کلمۃ اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے اس تکلیف سے نجات دے۔

آپ نے یہ کلمات کہے:

يَا خَالِقَ النّفْسِ مِنْ النّفْسِ وَيَا مُخَلّصَ النّفْسِ مِنْ النّفْسِ وَيَا مُخْرِجَ النّفْسِ مِنْ النّفْسِ خَلّصْهَا۔[47]

---

45 (الاتقان فی علوم القرآن، ج۲، ص۳۹۸)

46 (مصنف ابن ابی شیبة، ج۵، ص۳۹، رقم الحدیث: ۲۳۴۹۸، عمل الیوم واللیلة، رقم الحدیث: ۶۱۹، مجموعة الفتاوی لابن تیمیة، ج۱۹، ص۶۳، الطب النبوی للذهبی، ص۲۸۸، زاد المعاد، ج۴، ص۳۲۷، تسهیل المنافع، ص۲۰۲)

47 (زاد المعاد، ج۴، ص۳۲۸)

اے جان سے جان کو پیدا کرنے والے اور جان کو جان سے خلاصی دینے والے اور جان کو جان سے نکالنے والے !اس کو خلاصی عطا فرما۔

آپ فرماتے ہیں: گائے نے اسی وقت بچہ دے دیا اور وہ کھڑی ہو کر اسے سونگھنے لگی۔ فرماتے ہیں جب کسی عورت پر یہ مشکل آپڑے کہ اس کے بچے کی ولادت نہ ہو رہی ہو تو اس کے لئے بھی انہی الفاظ سے تعویذ لکھ دو۔ (علامہ ابن قیم کہتے ہیں:) دم کے بارے میں جتنی بھی دعائیں مذکور ہوئیں ان سب کا تعویذ لکھنا بھی مفید ہے۔

تنگیٔ ولادت کے لئے ایک اور تعویذ

علامہ ابن قیم تنگیٔ ولادت کی آسانی کے لئے سورۃ الانشقاق کی ابتدائی چار آیات کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہیں ایک صاف برتن میں لکھ کر اور اس میں پانی ڈال کر حاملہ عورت کو پلایا جائے اور اس کے پیٹ پر چھڑکا جائے۔[48]

باری کے بخار کے لئے تعویذ

علامہ ابن قیم نے باری کے بخار کے لئے کہا ہے کہ:

"تین بار کاغذوں پر لکھا جائے: بِسْمِ اللهِ فَرّتْ بِسْمِ اللهِ مَرّتْ بِسْمِ اللهِ قَلّتْ۔ ہر روز ایک ورق منہ میں رکھ کر پانی کے ساتھ نگل لیا جائے"۔[49]

---

[48] (زادالمعاد، ج۴، ص ۳۲۸، تسھیل المنافع، ص ۲۰۲)
[49] (زادالمعاد، ج۴، ص ۳۲۹)

آیات شفاء لکھ کر مریض کو پلانا

امام ابن الحاج رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرک و بدعت کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں آپ لکھتے ہیں:

امام ابو القاسم قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ کا لڑکا سخت بیمار پڑ گیا تو آپ کو شدید پریشانی لاحق ہوئی اور اس کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو حالت خواب میں دیکھا تو آپ سے اپنے لڑکے کے متعلق درخواست کی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: تم آیت شفاء سے کیوں غافل ہو؟ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: پھر میں بیدار ہوا اور قرآن مجید میں غور کیا تو مجھے چھ مقامات پر آیات شفاء ملیں اور وہ یہ ہیں:

وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ (التوبۃ ۱۴) وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ (یونس ۵۷) فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (النحل ۶۹) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ (الإسراء ۸۲) وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ (الشعراء ۸۰) قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ (فصلت ۴۴)۔

امام قشیری فرماتے ہیں: ”پس میں نے یہ آیات ایک کاغذ میں لکھیں اور اسے پانی میں حل کیا اور وہ پانی بچے کو پلا دیا تو وہ ایسا ہو گیا جیسا کہ بندھی ہوئی رسی سے آزاد ہوا ہو“۔[50]

امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو مجرب فرمایا ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

ورأیت کثیرا من المشائخ یکتبون ھذہ الایات للمریض ویسقاھا فی الاناء طلبًا۔

---

50 (المدخل لابن الحاج المالکی، ج ۴، ص ۳۲۷)

میں نے بہت سے مشائخ کرام کو دیکھا کہ انہوں نے یہ آیات مریض کے لئے لکھیں اور برتن میں ڈال کر شفاء کی امید پر پلائیں۔

یہ آیات علامہ زرکشی، امام قسطلانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، علامہ اسماعیل حقی، سید منلا اور علامہ آلوسی نے بھی ذکر کی ہیں۔[51]

مختلف تعویذات کے استعمال کا طریقہ

امام ابن الحاج رحمہ اللہ تعالیٰ نے متذکرہ بالا اور دیگر متعدد تعویذات کا ذکر کرکے آخر میں طریقۂ استعمال یوں بیان فرمایا ہے:

وَصِفَةُ اسْتِعْمَالِهَا أَنْ يُكْتَبَ بِزَعْفَرَانٍ فِي إنَاءٍ نَظِيفٍ أَوْ فِي وَرَقَةٍ ثُمَّ يُغْسَلُ الْإِنَاءُ بِالْمَاءِ أَوْ تُحَلُّ الْوَرَقَةُ بِالْمَاءِ ثُمَّ يَشْرَبُ ذَلِكَ الْمَاءَ عَلَى الرِّيقِ ثُمَّ يَجْعَلُ يَدَيْهِ فِي الْبَلَلِ الَّذِي بَقِيَ فِي الْإِنَاءِ فَيَمْسَحُ بِهِمَا مَا أَمْكَنَهُ مِنْ بَدَنِهِ۔[52]

ان کے استعمال کی ترکیب یہ ہے کہ یہ تعویذات کسی صاف برتن یا کاغذ میں لکھے جائیں پھر اس برتن کو پانی سے دھویا جائے یا اس کاغذ کو پانی میں حل کیا جائے پھر وہ پانی نہار منہ پی لیا جائے۔ پھر برتن میں جو پانی کی تری باقی رہ گئی ہو وہ ہاتھوں کو لگا کر جہاں تک ممکن ہو بدن کا مسح کیا جائے۔

نیز امام ابن الحاج فرماتے ہیں:

وَمَا زَالَ الْأَشْيَاخُ مِنْ الْأَكَابِرِ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمْ يَكْتُبُونَ الْآيَاتِ مِنْ الْقُرْآنِ وَالْأَدْعِيَةَ فَيُسْقُونَهَا لِمَرْضَاهُمْ وَيَجِدُونَ الْعَافِيَةَ عَلَيْهَا۔[53]

---

[51] (البرهان، ج۲، ص۶۵، المواهب اللدنية، ج۳، ص۴۲۰، ۴۲۱، القول الجميل، ص۱۲، روح البيان، ج۵، ص۱۹۴، روح المعانی، ج۹، ص۲۱۰، شرح تسع صلوات للجيلانی، ص۱۵۹)

[52] (المدخل لابن الحاج، ج۴، ص۳۲۸)

[53] (المدخل لابن الحاج، ج۴، ص۳۲۷)

اور ہمیشہ سے مشائخ کبار رحمہم اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی آیات اور دعائیں لکھتے اور مریضوں کو پلاتے آئے ہیں اور مریض ان سے شفاء پاتے آئے ہیں۔

دل کی سختی دور کرنے کے لئے تعویذ

امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امام ابو جعفر محمد بن علی یعنی امام باقر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ وَجَدَ فِي قَلْبِهِ قَسْوَةً فَلْيَكْتُبْ يس وَالْقُرْآنِ فِي جَامٍ بِزَعْفَرَانٍ، ثُمَّ يَشْرَبُهُ۔[54]

جو شخص اپنے قلب میں قساوت (سختی) پائے اسے چاہیئے کہ وہ زعفران سے سورۃ یٰس شریف ایک پیالہ میں لکھ کر پیئے۔

امام حاکم کے علاوہ امام حکیم ترمذی، امام بیہقی اور امام سیوطی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی یہ روایت ذکر فرمائی ہے۔[55]

کسی چیز پر قرآن لکھ کر اسے استعمال کرنا

امام حکیم ترمذی مزید لکھتے ہیں:

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ لَا بَأْسَ أَنْ يَكْتُبَ الْقُرْآنَ ثُمَّ يَغْسِلَهُ وَيَسْقِي الْمَرِيضَ۔[56]

امام مجاہد فرماتے ہیں: اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ قرآن کریم لکھا جائے پھر اسے دھو کر مریض کو پلایا جائے۔

---

[54] (مستدرک للحاکم، ج۳، ص ۲۱)
[55] (نوادر الاصول، ج۳، ص ۲۵۸، شعب الایمان، ج ۲، ص ۴۸۲، الاتقان، ج ۲، ص ۳۹۸)
[56] (نوادر الاصول، ج۳، ص ۲۵۸)

محی السنۃ امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

"سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتی تھیں کہ تعویذ پانی میں ڈالا جائے پھر اس سے مریض کا علاج کیا جائے، اور مجاہد نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ قرآن لکھ کر اس کا دھوون مریض کو پلایا جائے اور اسی طرح ابو قلابہ سے مروی ہے، اور امام نخعی اور ابن سیرین نے اسے مکروہ جانا ہے، اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حکم فرمایا کہ جس عورت کے ہاں بچہ کی ولادت دشوار ہو اس کے لئے دو آیتیں اور کچھ کلمات لکھے جائیں پھر انہیں گھول کر اسے پلایا جائے، اور ایوب کہتے ہیں: میں نے ابو قلابہ کو دیکھا کہ انہوں نے ایک تعویذ لکھا پھر وہ جنون کے مریض کو پلایا"۔[57]

قرآنی آیات پانی پر دم کرکے چھڑکنا

علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی کہ قرآن مجید کی آیات جب کسی چیز میں لکھی جائیں اور اس کو دھویا جائے اور وہ پانی پیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور بے شک ایک شخص ایک برتن میں قرآن شریف لکھتا تھا پھر اسے مریض کو پلاتا تھا۔ اسی طرح قرآن عظیم الشان کسی چیز پر پڑھا جائے پھر اُسے پیا جائے تو اس تمام کارروائی میں کوئی حرج نہیں، اور اسی طرح قرآن شریف پڑھ کر پانی پر دم کیا جائے اور وہ پانی مریض پر چھڑکا جائے اور اسی طرح جس عورت کے ہاں بچہ کی پیدائش دشوار ہو اس کے لئے قرآن کریم سے کچھ لکھا جائے اور اسے پلایا جائے۔[58]

---

[57] (شرح السنۃ، ج۲، ص ۲۵۴)

[58] (الطب النبوی للذہبی، ص ۲۸۸)

اس کے بعد امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مذکورہ بالا تعویذ کا ذکر کیاہے اور علامہ ابن قیم اور علامہ موفق الدین البغدادی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔[59]

علامہ ابن قیم ایک مقام پر لکھتے ہیں:

ورخص جماعة من السلف في كتابة بعض القرآن وشربه، وجعل ذلک من الشفاء الذي جعل الله فيه۔[60]

بزرگانِ دین کی ایک جماعت نے قرآن کریم لکھنے اور اس کے پینے کی اجازت دی ہے اور اس کو انہوں نے شفاء قرار دیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھ دی ہے۔

مٹھائی وغیرہ پر قرآن لکھ کر اسے کھانے کا جواز

امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قَالَ النَّوَوِيُّ فِي شَرْحِ الْمُهَذَّبِ لَوْ كَتَبَ الْقُرْآنَ فِي إِنَاءٍ ثُمَّ غسله وَسَقَاهُ الْمَرِيضَ فَقَالَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ وَمُجَاهِدٌ وَأَبُو قِلَابَةَ وَالْأَوْزَاعِيُّ: لَا بَأْسَ بِهِ وَكَرِهَهُ النَّخَعِيُّ قَالَ وَمُقْتَضَى مَذْهَبِنَا أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ فَقَدْ قَالَ الْقَاضِي حُسَيْنٌ وَالْبَغَوِيُّ وَغَيْرُهُمَا: لَوْ كتب عَلَى حَلْوَى وَطَعَامٍ فَلَا بَأْسَ بِأَكْلِهِ۔[61]

امام نووی نے شرح مہذب میں فرمایا: اگر قرآن کسی برتن میں لکھا جائے پھر اس کا غسالہ مریض کو پلایا جائے تو حسن بصری، مجاہد، ابو قلابہ اور اوزاعی نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں اور ابراہیم نخعی نے اسے مکروہ سمجھا۔ امام نووی فرماتے ہیں: ہمارے مذہب کا تقاضہ یہ ہے کہ اس میں

---

59 (زادالمعاد، ج۴، ص۱۵۷، الطب من الکتاب والسنۃ، ص۲۳۰)
60 (زادالمعاد، ج۴، ص۳۲۸)
61 (الاتقان، ج۲، ص۲۶۵)

کوئی حرج نہیں، پس بالتحقیق قاضی حسین اور بغوی وغیرہ نے فرمایا: اگر قرآنی آیات مٹھائی اور طعام پر لکھی جائیں تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

اس بحث میں امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت میں یہ بات سامنے آئی کہ حضرت ابراہیم نخعی قرآنی آیات کو کسی چیز میں لکھ کر پینا مکروہ قرار دیتے تھے۔ امام نووی نے بھی حضرت نخعی سے کراہت کا قول نقل کیا ہے لیکن امام بغوی کا ابن سیرین کو بھی اس عمل کے مانعین میں شمار کرنا سمجھ میں نہیں آتا، کیونکہ وہ تو اس سے بھی بڑی چیز کے قائل ہیں، "یعنی تعویذات لٹکانے کے"۔ اسی طرح بعض اہل علم کا امام مجاہد اور امام حسن بصری کو مانعین میں شامل کرنا مبنی بر تسامح ہے، کیونکہ یہ دونوں حضرات جواز کے قائل ہیں۔ ان کے جواز کا قول ان بزرگوں نے نقل کیا جو عدم جواز کا قول نقل کرنے والوں سے سابق ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ جن حضرات نے امام مجاہد اور حضرت حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ کو غلطی سے مانعین میں شمار کیا ہے وہ حضرات خود بڑی شدت کے ساتھ تعویذات کی تمام جائز صورتوں کے قائل اور مؤید ہیں۔

غرضیکہ کراہت کے قول میں حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ منفرد ہیں اور ان کا تفرد سلف صالحین کی جماعت کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ نیز انہوں نے صرف اسی کارروائی کو ہی مکروہ نہیں کہا بلکہ انہوں نے قرآن پڑھ کر دم کرنے کو بھی مکروہ قرار دے دیا، حالانکہ اس کے جواز پر متعدد احادیثِ صحیحہ موجود ہیں۔

سطورِ ذیل میں دم کرنے کے متعلق احادیث مبارکہ پیش کی جا رہی ہیں، جن سے حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا احادیث کے خلاف ہونا از خود واضح ہو جائے گا۔ پھر خصوصاً اس

بحث کے آخر میں حافظ الدنیا امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک تبصرہ آرہاہے، جس میں انہوں نے امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر اہل علم کا مہذب طریقے سے رد فرمایاہے۔

دم کرنے کے بارے میں احادیث

بعض لوگ لاعلمی کی بناپر دم کرنے اور کرانے کے عمل پر اعتراضات کرتے اور اس کو ضعیف الاعتقادی قرار دیتے ہیں، حالانکہ دم کرنے کرانے کا عمل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو پسند ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے خود دم کیا، دم کرایااور دم کرنے کرانے کی رغبت دی۔ سطورِ ذیل میں ہم ایسی احادیث مبارکہ پیش کررہے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ:

۱۔بندوں کاایک دوسرے کودم کرنا اللہ جل جلالہ کو پسند ہے۔

۲۔دم کرنا کرانا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سنت ہے۔

۳۔دم کرنا کرانا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت ہے۔

جبریل علیہ السلام کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو دم کرنا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کیا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کیا آپ کو تکلیف ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، تو جبریل علیہ السلام نے کہا: قَالَ: بِسْمِ اللّٰہِ أَرْقِیکَ، مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيکَ، مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنٍ، أَوْ حَاسِدٍ اللّٰہُ يَشْفِيکَ، بِسْمِ اللّٰہِ أَرْقِيکَ۔[62]

---

[62] (صحیح مسلم، رقم الحدیث، ۵۶۶۴، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۹۷۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۵۲۳)

میں آپ کو ہر ایذا دینے والی چیز سے، ہر نفس کے شر سے اور ہر حسد والی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کے نام سے دم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شفاء دے، میں اللہ تعالیٰ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں۔

بعض روایات میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو کوئی شکایت ہوتی تو جبریل علیہ السلام دم کرنے کے لئے حاضر ہو جاتے۔[63]

اہل علم جانتے ہیں کہ فرشتے بغیر امر الٰہی کچھ نہیں کرتے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

يَفْعَلُونَ مَايُؤْمَرُونَ (التحریم ٦)

جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔

ایک اور مقام میں ہے کہ ایک سوال کے جواب میں حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

وَمَانَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّکَ (مریم ٦٤)

ہم فرشتے نہیں اترتے مگر حضور کے رب کے حکم سے۔

اسی لئے ایک حدیث میں وضاحت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ انہیں خود اللہ جل جلالہ نے بھیجا ہے: اصل الفاظ ملاحظہ ہوں:

إِنْ رَبَّکَ أَرْسَلَنِي إِلَيْکَ لِأَرْقِيَکَ۔[64]

---

63 (مسند اسحاق بن راھویہ، ج٣، ص ١٠٠٥، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ٢٢٦٣)

64 (مجمع الزوائد، رقم الحدیث: ٨٤٥، مجمع البحرین، رقم الحدیث: ٤١٩٣)

مجھے آپ کے رب نے آپ کی طرف بھیجا ہے تاکہ میں آپ کو دم کروں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا خود پر دم کرنا

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنے بستر پر تشریف لاتے تو تینوں قل پڑھ کر ہاتھوں میں دم کرتے اور جہاں تک ہاتھ پہنچتے اپنے جسم اقدس پر پھیرتے پھر جب آپ بیمار ہوئے تو مجھے حکم فرمایا کہ میں آپ کو اسی طرح دم کروں۔[65]

ایک حدیث پاک میں ہے کہ آپ ہاتھ پھیرنے کی ابتداء سر، چہرہ مبارک اور جسم کے اگلے حصے سے فرماتے اور یہ عمل آپ تین مرتبہ کرتے تھے۔[66]

بعض احادیث میں سورۃ الاخلاص کا نہیں بلکہ صرف سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر دم کرنے کا ذکر ہے۔[67]

امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ امام ابن بطال رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"معوذات میں ایسی تاثیر ہے جو کسی اور سورت میں نہیں ہے کیونکہ ان میں جادو، حسد، شیاطین کے شر اور وسوسہ وغیرہ سے پناہ ہے"۔[68]

---

65 (بخاری، رقم الحدیث: ۵۷۴۸)

66 (بخاری، رقم الحدیث: ۵۰۱۷، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۵۰۵۶، سنن ترمذی: رقم الحدیث: ۳۴۰۲، شمائل ترمذی، رقم الحدیث: ۲۵۷، تفسیر النسائی، رقم الحدیث: ۷۶۵، سنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۱۰۶۲۴)

67 (صحیح البخاری،، رقم الحدیث: ۴۴۳۹، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۵۶۷۹، ، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۳۹أ۲، سنن ابن ماجه، رقم الحدیث: ۳۵۲۹، السنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۷۵۴۴، موطا امام مالک مع القبس، ج۴، ص ۳۰۹)

68 (الاتقان، ج۲، ص ۴۰۰)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا بیماروں کو دم کرنا

مذکورہ بالا احادیث میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا اپنے آپ پر دم کرنے کا یا آپ پر کسی اور کے دم کرنے کا ذکر ہوا اور حسبِ ذیل احادیث میں یہ ذکر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے دوسرے مریضوں پر بھی دم فرمایا۔

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے گھر والوں میں سے کوئی بیمار ہوتا تو آپ اس پر سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر دم فرماتے۔[69]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے تو ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں ان کلمات سے دم کروں، جنہیں جبریل علیہ السلام لے کر آئے؟ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، کیوں نہیں؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے تین مرتبہ یہ کلمات ارشاد فرمائے:

بِسْمِ اللهِ أَرْقِيکَ، وَاللّٰہُ يَشْفِيکَ، مِنْ كُلِّ أَرَبٍ يُؤْذِيکَ، وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ، وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ۔[70]

اللہ تعالیٰ کے نام سے میں آپ کو دم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر اس بیماری سے شفاء دے جو آپ کے اندر ہے۔ گرہوں میں پھونک مارنے والوں کے شر سے اور ہر حسد کرنے والے کے حسد سے، جب وہ حسد کرے۔

---

[69] (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۵۶۷۸، مشکوٰۃ المصابیح، رقم الحدیث: ۱۵۳۲)

[70] (سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۵۲۴، مصنف ابن ابی شیبۃ، رقم الحدیث: ۲۳۵۵۸)

سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے سورۃ الفاتحہ پڑھ کر کچھ لعاب کی آمیزش سے مجھے دم فرمایا۔[71]

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا دم کرنے، کرانے کی ترغیب دینا

ابن شہاب زہری بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی شخص کو سانپ نے ڈس لیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: هَلْ مِنْ رَاقٍ؟(کوئی دم کرنے والا ہے؟)لوگوں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! آل حزم سانپ کا دم کیا کرتے تھے، جب سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے منع فرمایاہے انہوں نے ترک کر دیاہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: عمارہ بن حزم کو بلاؤ! وہ آئے اور انہوں نے دم کے الفاظ آپ کو سنائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم: کوئی حرج نہیں، انہیں اجازت مرحمت فرمائی اور انہوں نے دم کیا۔[72]

مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: میں اس دم کے الفاظ میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، تم میں سے جس شخص سے ہوسکے کہ وہ اپنے بھائی کو نفع پہنچائے تو اسے چاہیئے کہ وہ ضرور نفع پہنچائے۔[73]

---

[71] (المعجم الاوسط، ج۷، ص۳۹۰، رقم الحدیث: ۷۷۵۷، الاتقان، ج۲، ص۳۹۲، الدر المنثور، ج۱، ص۱۴، مجمع الزوائد، ج۵، ص۱۹۴، رقم الحدیث: ۸۴۵۸)

[72] (زادالمعاد، ج۴، ص۱۷۰)

[73] (صحیح مسلم، رقم الحدث: ۵۶۹۰)

مسلم شریف میں اس سے اگلی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

لا بأس بالرقی مالم یکن فیہ شرک۔[74]

اُس دم میں کوئی حرج نہیں ہے جس میں شرک نہ ہو۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ الفاظ جس زبان کے بھی ہوں اگر ان میں شرک کا شائبہ نہ ہو تو ان سے دم کرنا کرانا جائز ہے۔ چنانچہ ایک اور حدیث پاک میں ہے: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "مدینہ مقدسہ میں ابو مذکور نامی ایک شخص تھا جو بچھو کے کاٹے ہوئے شخص پر دم کرتا تو فائدہ پہنچتا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس سے فرمایا: اے ابو مذکور! تم کن الفاظ میں دم کرتے ہو؟ ہمارے سامنے پیش کرو! انہوں نے یہ کلمات سنائے: **شجۃ قرینۃ ملحۃ بحر قغطی۔** آپ نے فرمایا: ان الفاظ میں کوئی حرج نہیں ہے، تم دم کیا کرو، یہ مواثیق سلیمان علیہ السلام ہیں۔ امام حکیم ترمذی اور امام عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ لغت حمیریہ کے الفاظ ہیں۔[75]

بعض احادیث میں یہ الفاظ ہیں:

بِسْمِ اللّٰہِ قَرْنِیَّۃٌ شَجَّۃٌ مِلْحَۃٌ بَحْرٍ قِفْطًا۔[76]

اور بعض میں **قِفْطًا** کے الفاظ نہیں ہیں۔

---

74 (مسلم، رقم الحدیث: ۵۶۹۶، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۳۸۸۶، مستدرک للحاکم، رقم الحدیث ۷۵۶۰، ۸۳۲۷، سنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۹، رقم الحدیث: ۱۹۵۹۶، الاصابۃ، ج ۳، ص ۴۷۶، زاد المعاد، ج ۴، ص ۱۷۰)

75 (نوادر الاصول، ج ۱، ص ۲۶۹، الشفاء فی الطب للتیفاشی، ص ۱۶۸، الاصابۃ، ج ۷، ص ۳۰۴)

76 (مجمع الزوائد، ج ۵، رقم الحدیث: ۸۴۴۶، ۸۴۴۷)

دم سیکھنے سکھانے پر ترغیب نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

حضرت شفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تشریف لائے میں اس وقت سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس موجود تھی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

ألا تعلمین هذه رقیة النملة کما علمتیها الکتابة۔[77]

کیا تم اس (حفصہ) کو پہلو کے پھوڑے کا دم نہیں سکھا تیں؟ جیسا کہ تم نے اس کو لکھنا سکھایا ہے۔

بعض احادیث میں استفہام کی بجائے امر کے الفاظ ہیں: "علمیها حفصة" یہ دم حفصہ کو سکھا دو۔[78]

نظر بد کا لگنا حق اور اس پر دم کرانے کا حکم

نظر بد کا لگنا قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی جب کنعان سے مصر کی طرف جانے لگے تو انہیں ان کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "اے میرے بچو! نہ داخل ہونا ایک دروازہ سے بلکہ داخل ہونا مختلف دروازوں سے اور نہیں فائدہ پہنچا سکتا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کچھ بھی، نہیں ہے حکم مگر اللہ تعالیٰ کے لئے اسی پر میں نے توکل کیا ہے، اور اسی پر توکل کرنا چاہیئے توکل کرنے والوں کو"۔ (یوسف ٦٨)

---

[77] (مسند احمد، رقم الحدیث: ۲۷۶۳۵، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۳۸۸۷، سنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۷۵۴۳، مستدرک للحاکم، رقم الحدیث: ۸۳۲۵، مصنف ابن ابی شیبة، ج۵، ص ۴۲، رقم الحدیث: ۲۳۵۳۲، ۲۳۵۳۲، سنن الکبریٰ للبیهقی، ج ۹، رقم الحدیث: ۱۹۵۹۷، شرح السنة، ج۷، ص ۱۱۹)

[78] (سنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۷۵۴۲، مجمع الزوائد، ج۵، رقم الحدیث: ۸۴۵۱)

اسی طرح سورۃ القلم کی آیت نمبر ۵۱ میں بھی ایک تفسیر کے مطابق نظر بد کا ذکر ہے اور کتب حدیث تو نظر بد کے ذکر سے بھری پڑی ہیں۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

العین حق و نھی عن الوشم۔[79]

نظر بد کا لگنا برحق ہے اور آپ نے غور سے دیکھنے (گھورنے) سے منع فرمایا۔

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم آپ کے رضاعی بھائی (حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اولاد کو بہت نظر لگتی ہے، کیا میں ان پر دم کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت کر سکتی تو نظر بد کرتی۔[80]

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:

أمرني رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أو أمر أن یسترقی من العین۔[81]

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مجھے یہ مطلقاً حکم فرمایا کہ نظر بد کا دم کرایا جائے۔

---

[79] (بخاری، رقم الحدیث: ۵۷۳۸، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۵۷۰۱، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۳۸۷۹، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۲۰۶۱، مسند احمد، رقم الحدیث: ۸۷۰۷، مسند البزار، رقم الحدیث: ۳۰۴۷، مسند ابی یعلیٰ، رقم الحدیث: ۱۵۸۴، المعجم الکبیر، رقم الحدیث: ۳۵۶۱)

[80] (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۰۵۹، مسند الحمیدی، رقم الحدیث: ۳۳۰، مصنف ابن ابی شیبۃ، ج۵، ص۴۸، رقم الحدیث: ۲۳۵۸۱، ۲۳۵۸۳، مسند احمد، ج۶، ص۴۳۸، رقم الحدیث: ۲۸۰۱۸، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۵۱۰، مسند احمد، رقم الحدیث: ۳۲۴۲)

[81] (بخاری، رقم الحدیث: ۵۷۳۸، مسلم، رقم الحدیث: ۵۷۲، ۵۷۲۲، سنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۷۵۳۶، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۵۱۲، مستدرک للحاکم، ج۴، ص۴۱۲ و طبع جدید رقم الحدیث: ۷۳۱۷، مسند احمد، ج۶، ص۱۳۸، رقم الحدیث: ۲۵۵۸۲، سنن الکبریٰ للبیہقی، ج۹، ص۵۸۴، رقم الحدیث: ۱۹۵۸۴)

نظر بد سے چہرے پر چھائیوں کا نمودار ہونا اور ان کا دم

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنے گھر میں ایک بچی کو دیکھا "وفی وجھھا سفعۃ" اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو رہا تھا (سرخی مائل سیاہ، یا زرد ہو رہا تھا، عام طور پر اس صورت حال کو چھائیوں سے تعبیر کیا جاتا ہے، بہر کیف اس کے چہرے کی رنگت اصل رنگت کے خلاف ہو رہی تھی) آپ نے فرمایا: اس کو دم کرو کیونکہ اس کو نظر لگی ہوئی ہے۔[82]

نظر بد سے بچاؤ کے لئے ایک نبوی ہدایت

ہماری گفتگو تو دم کرنے یا کرانی کے سنت و اثبات کے متعلق تھی لیکن دورانِ مطالعہ یہ خیال آیا کہ نظر بد کے متعلق جس قدر ضروری نظر سے گذرا ہے اسے نقل کر دیا جائے تاکہ یہ مضمون ناقص نہ رہے۔

کتب حدیث میں نظر بد لگ جانے پر دم کرنے کے علاوہ ایک طریقہ بھی بتایا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد صاحب کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خرار (مدینہ کی ایک وادی) میں غسل کیا، انہوں نے اپنا جبہ اتارا، عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو دیکھ رہے تھے، اور سہل بن حنیف

---

[82] (بخاری، رقم الحدیث: ۵۷۳۸، مسلم، رقم الحدیث: ۵۷۲۰، ۵۷۲۲، سنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۷۵۳۶، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۵۱۲، مستدرک للحاکم، رقم الحدیث: ۷۵۶۱، ۸۳۲۶، سنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۹،، رقم الحدیث: ۱۹۵۸۵، ۱۹۵۸۶، مسند ابی یعلیٰ، ج ۶، ص ۷۰، رقم الحدیث: ۶۸۴۳، عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی، رقم الحدیث: ۵۷۱، ۵۷۴، کتاب کفارات الامراض والطب والرقیات، للامام ضیاء الدین المقدسی، ص ۱۷۱)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت گورے رنگ کے بہت خوبصورت شخص تھے۔ عامر بن ربیعہ نے انہیں دیکھ کر کہا: اتنے گورے رنگ کا اتنا خوبصورت جلد والا شخص میں نے اس سے پہلے نہیں دیکھا۔ سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بخار ہو گیا۔ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس جا کر بتایا کہ سہل کو بہت تیز تپ چڑھ گیا ہے اور وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ چلنے کے قابل نہیں رہا۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سہل کے پاس تشریف لے گئے۔ سہل نے بتایا کہ اس طرح مجھے عامر نے نظر بھر کر دیکھا تھا، پھر مجھے بخار ہو گیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے عامر سے فرمایا کہ تم کیوں اپنے بھائی کو قتل کرتے ہو اور تم نے کیوں نہیں کہا: "تبارک اللہ احسن الخالقین اللھم بارک فیہ"۔ (جب دیکھنے والا کسی اچھی چیز کو دیکھ کر یہ کہے گا تو اس کی نظر نہیں لگے گی) بے شک نظر کا لگنا برحق ہے، تم اس کے لئے وضو کرو۔ عامر نے ان کے لئے وضو کیا، پھر وہ بالکل تندرست ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ چلے گئے۔

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اسے حکم دیا کہ اپنے چہرے کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوئے اور گھٹنوں کو اور ازار کے اندر جسم کا حصہ دھوئے۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حکم دیا کہ اس کے غسالہ کو سہل کے اوپر بہایا جائے۔[83]

---

[83] (موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۱۷۴۷، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۵۰۹، سنن الکبریٰ للبیہقی۔ ج۹، ص ۳۵۱، رقم الحدیث: ۱۹۶۱۶، مسند احمد، ج۳، ص ۴۸۶، نیز طبع جدید، ج۵، رقم الحدیث: ۱۶۰۷۶، المعجم الکبیر، ج۶، رقم الحدیث: ۵۵۷۸، ۵۵۸۰، ۵۵۸۱، ۵۵۸۲، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی، رقم الحدیث: ۲۰۹، مکارم الاخلاق للخرائطی، ج۲، رقم الحدیث: ۱۱۰۶، تحفۃ الاخیار بترتیب شرح مشکل الآثار، ج۶، رقم الحدیث: ۴۸۰۴، شرح السنۃ، ج۷، رقم الحدیث: ۳۲۴۴)

ان احادیث میں تصریح ہے کہ نظر کا لگنا حق ہے اور نظر بد سے کبھی کوئی انسان جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ نظر بد انسان کو قبر اور جانور کو ہنڈیا تک پہنچا دیتی ہے۔[84]

دوسری ایک حدیث میں ہے:

"میری امت کے اکثر لوگوں کی موت اللہ تعالیٰ کی قضا اور تقدیر کے بعد نظر بد سے ہوتی ہے"۔[85]

امام ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس حدیث کو امام بزار نے روایت فرمایا ہے اور ان کے تمام راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں، ماسواء طالب بن حبیب کے اور وہ ثقہ ہیں، البانی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔[86]

نظر بد کے برحق ہونے پر تمام امت کے علماء کا اجماع ہے اور یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ بعض بدعتی فرقوں نے نظر لگنے کا انکار کیا ہے، لیکن احادیث صحیحہ، امت کا اجماع اور مشاہدہ ان کے انکار کو رد کرتا ہے۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جو نظر لگنے کی وجہ سے اپنی جان کھو بیٹھے، تاہم نظر کا لگنا یا نہ لگنا اللہ جل جلالہ کی مشیت اور اس کے حکم پر موقوف ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (البقرة ۱۰۲)

---

84 (زادالمعاد، ج۴، ص ۱۵۱)

85 (مسند ابوداؤد الطیالسی، رقم الحدیث: ۱۷۶۰، تحفة الاخیار بترتیب شرح مشکل الآثار، ج۶، رقم الحدیث: ۴۸۱۲، کتاب السنة لابن ابی عاصم، رقم الحدیث: ۳۱۱، الکامل لابن عدی، ج۵، ص ۱۹۱، مجمع الزوائد، ج۵، رقم الحدیث: ۸۴۲۳، کتاب الضعفاء للعقیلی، ج۲، ص ۲۲۲)

86 (السلسلة الصحیحة، رقم الحدیث: ۷۴۷)

ترجمہ: اور اس سے ضرر نہیں پہنچا سکتے کسی کو مگر خدا کے حکم سے۔

خوبصورت چیز کو دیکھ کر یہ الفاظ پڑھنے کا حکم

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جب اس کو کوئی چیز اچھی لگے تو وہ یہ کہے: تَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ فِیْہِ۔ (اللہ تعالیٰ برکت والا ہے جو سب سے حسین پیدا کرنے والا ہے، اے اللہ! اس چیز میں برکت رکھ دے) جب کوئی شخص کسی اچھی چیز کو دیکھ کر یہ کہے گا تو اس کی نظر نہیں لگے گی۔ جس شخص نے یہ کلمات نہیں کہے اور اس کی نظر لگ گئی تو اس کو غسل کرنے کا حکم دیا جائے اور اگر وہ غسل نہ کرے تو اس کو اس پر مجبور کیا جائے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا امر وجوب کے لئے ہے، خصوصًا اس صورت میں جب اس شخص کی ہلاکت کا خطرہ ہو جس پر اس کی نظر لگی ہے، اور کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کو نفع سے روکنا اور اس اس کو ضرر پہنچانا جائز نہیں اور غسل کے بعد اس شخص کا غسالہ اس پر بہایا جائے جس کو نظر لگی ہے۔

علماء اسلام نے فرمایا ہے کہ جس شخص کا نظر لگنا مشہور ہو اس کو لوگوں کے پاس جانے سے روک دیا جائے تاکہ لوگ اس کے ضرر سے محفوظ رہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ قاضی یا حاکم کو چاہیئے کہ اسے اس کے گھر میں بند کر دے، اگر وہ تنگ دست ہو تو اس کو سرکاری طور پر راشن بھی مہیا کرے اور لوگوں کو اس کی اذیت سے بچائے۔ بے شک اس کا ضرر مجذوم (برص والا) کے ضرر سے زیادہ سخت ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برص والے کو لوگوں کی مجلس میں آنے سے منع کر دیا تھا، اور اس کا ضرر لہسن کھا کر آنے والے شخص سے بھی زیادہ ہے جس کے بارے میں شارع نے فرمایا کہ اس کا جماعت میں آنا منع ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں: یہ صحیح اور متعین قول ہے اس کے خلاف کسی نے کوئی تصریح نہیں کی۔

نظر بد سے بچاؤ میں مختلف احادیث کے مابین تطبیق

بعض احادیث میں نظر لگ جانے کے بعد دم کرانے کا ارشاد ہے اور بعض احادیث میں جس کی نظر لگی ہو اس کو غسل کرا کر اس کا غسالہ اُس شخص پر ڈالنے کا حکم ہے جس کو نظر لگی ہو۔ ان احادیث میں تطبیق اس طرح ہے کہ اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کس کی نظر لگی ہے تو دم کرایا جائے، اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص کی نظر لگی ہے تو اس کو غسل کرنے کا حکم دیا جائے۔[87]

نظر بد کے مؤثر ہونے پر شبہات کا ازالہ

بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ کسی شخص کے دیکھنے میں کسی دوسرے شخص کو ضرر کیونکر پہنچ سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کی طبیعتیں اور ان کے بدنوں کی کیفیات مختلف ہوتی ہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دیکھنے والے کی آنکھ سے زہر نکل کر دوسرے شخص کے بدن میں پہنچ جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جس شخص کو آشوبِ چشم ہو اور کوئی تندرست آدمی اس کو دیکھے تو اس کو بھی وہی بیماری لگ جاتی ہے، اسی طرح بعض بیماریاں ایسی ہیں کہ تندرست آدمی ان بیماروں کے پاس بیٹھے تو اس کو بھی بیماری لگ جاتی ہے۔ اگر کسی شخص کو جمائیاں آ رہی ہوں تو اس کے پاس بیٹھے ہوئے شخص کو بھی جمائیاں آنے لگتی ہیں۔ اسی طرح بعض اَفَاعِیٔ (سانپوں) سے نظر ملانے سے ان کا زہر سرایت کر جاتا ہے۔

---

87 (الجامع الاحکام القرآن، ج ۹، ص ۱۹۲، ۱۹۴، فتح الباری، ج ۱۱، ص ۳۶۲، ۳۶۳، عمدۃ القاری، ج ۲۱، ص ۲۶۶، تسھیل المنافع، ص ۱۹۹)

حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مبر پر دورانِ خطبہ ارشاد فرمایا: سفید دھاری دار سانپ اور دم بریدہ سانپ کو قتل کردو کیونکہ یہ دونوں بصارت کو زائل اور حمل کو ساقط کر دیتے ہیں۔[88]

اس حدیث می یہ تصریح ہے کہ سفید دھاری والے سانپ کو دیکھنے سے بصارت چلی جاتی ہے اور حمل ساقط ہو جاتا ہے، اس طرح بعض افاعی (سانپ) ایسے ہیں کہ ان کی نظر سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے اور یہ عام مشاہدہ ہے۔ اسی طرح انسان کا بعض لوگوں سے اس نوع کا تعلق ہوتا ہے کہ ان کے دیکھنے سے اس کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے اور یہ سب نظر کی تاثیرات ہیں۔ اسی طرح بعض لوگوں کے دیکھنے سے انسان بیمار پڑ جاتا ہے اور بعض کو دیکھنے سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ یہ روح کی تاثیرات ہیں اور ارواح مختلف ہوتی ہیں۔ بعض روحوں کی طبائع، کیفیات، قوتیں اور خواص بہت جلد تاثیر کرتی ہیں کیونکہ وہ روح بہت سریع التاثیر ہوتی ہے اور محض کسی کو دیکھتے ہی اس میں تاثیر کرتی ہے۔ بعض روحیں دوسرے شخص کے بدن سے اتصال کے بعد تاثیر کرتی ہیں، اور اس کی آنکھوں سے ایک معنوی تیر نکل کر دوسرے کے جسم میں پیوست ہو جاتا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی مشیت کے بغیر یہ تاثیر نہیں ہوتی اور اس کا علاج وہی ہے جو اوپر ذکر ہوا، یعنی اگر معلوم ہو کہ فلاں شخص کی نظر لگی ہے تو اس کو غسل کرا کر اس کا غسالہ اس شخص پر ڈالا جائے جس کو نظر لگی ہو۔

---

[88] (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۲۹۷، ۳۳۱۱، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۵۸۲۳، ۵۸۲۵، ۵۸۲۶، ۵۸۳۲، ۵۸۳۳، مصنف عبدالرزاق، ج ۱۰، ص ۴۶، رقم الحدیث: ۱۹۷۸۶، مسند حمیدی، رقم الحدیث: ۶۲، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۵۲۵۲، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۴۸۳، سنن ابن ماج، رقم الحدیث: ۳۵۳۵)

ورنہ یہ دعا پڑھ کر اس پر دم کیا جائے:

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللہِ التَّامَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّ ھَامَّۃٍ وَّ مِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّامَّۃٍ۔

میں ہر شیطان اور ہر زہریلے کیڑے اور ہر نظر بد سے اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ان الفاظ سے حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر دم فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ تمہارے والد ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل اور اسحٰق علیہما السلام پر انہیں الفاظ سے دم فرماتے تھے۔[89]

نظر بد سے بچاؤ کے لئے خوبصورت چہرے پر ٹکہ لگانا

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

بری نظر سے بچنے کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ ان خوبصورت مقامات کو چھپا کر رکھا جائے جن پر نظر بد لگنے کا اندیشہ ہو، جیسا کہ امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح السنۃ میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بچے کو دیکھا جو ملیح (نمکین حسن والا) تھا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

دسموا نونتہ! لئلا تصیبہ العین۔

اس کی تھوڑی کے درمیان میں سیاہ ٹیکہ لگا دو! تاکہ اس کو نظر بد نہ لگے۔[90]

[89] (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۳۳۷۱، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۰۰، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۷۳۷، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۵۲۵، مسند احمد، رقم الحدیث: ۲۱۱۲، ۲۴۳۴)

[90] (زاد المعاد، ج۴، ص ۱۵۹)

یہ بات امام ابوعبید الہروی، امام بغوی، امام ابن اثیر الجزری، امام ابن منظور افریقی، علامہ زمخشری، امام محمد طاہر پٹنی اور علامہ سید محمد مرتضیٰ الحسینی الزبیدی نے بھی ذکر کی ہے۔[91]

امام ابوعبید الہروی اور علامہ محمد طاہر پٹنی نے کان کے پیچھے سیاہ ٹیکہ لگانے کا بھی ذکر کیا ہے۔

لہلہاتی فصل (کھیت) کو نظر بد سے بچانے کا حیلہ

عام طور پر کسان حضرات اپنے کھیتوں میں لمبی لمبی لکڑیوں پر کھوپڑیاں،، پرانے کپڑے، ٹاٹ، بوری یا پلاسٹک کے خالی لفافے لٹکا دیتے ہیں۔ حدیث پاک میں اس کارروائی کے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔ امام ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: اس بات میں کوئی حرج نہیں ہے کہ کھیت یا مطبخ (باورچی خانہ) میں نظر بد سے بچاؤ کے لئے کھوپڑی رکھی جائے، کیونکہ نظر بد مال، آدمی اور جانور سب کو لگ جاتی ہے اور اس کا اثر علامات سے ظاہر ہو جاتا ہے، پس دیکھنے والے کی نگاہ پہلے جماجم (کھوپڑی وغیرہ) پر پڑے گی کیونکہ وہ کھیت سے بلند ہوتی ہیں تو اس کی نظر کا زہر وہیں ضائع ہو جائے گا اور کھیت کو ضرر نہیں پہنچے گا۔ حدیث پاک میں ہے کہ ایک صحابیہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں کہ ہم کسان لوگ ہیں اور ہمیں اپنے کھیتوں پر نظر بد کا اندیشہ رہتا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اپنے کھیتوں میں جماجم (کھوپڑیاں، لکڑی کے پیالے وغیرہ) رکھ دو۔[92]

---

91 (الغریبین فی القرآن والحدیث، ج۲، ص۶۳۴، ج۶، ص۱۸۴۶، شرح السنۃ، ج۷، ص۱۲۲، النہایۃ فی غریب الحدیث، ج۲، ص۱۱۰، ج۵، ص۱۱۶، لسان العرب لابن منظور، ج۴، ص۳۴۸، ج۱۴، ص۳۴۱، الفائق فی غریب الحدیث، ج۱، ص۳۶۷، مجمع بحار الانوار، ج۲، ص۱۷۷، ج۴، ص۸۲۹، تاج العروس، ج۱۶، ص۲۴۰، ج۱۸، ص۵۶۳)

92 (ردالمحتار، ج۹، ص۴۴۴)

یہ حدیث امام بزار اور امام ہیثمی نے بھی ذکر کی ہے۔[93]

آج کل کچھ لوگ نئے مکانوں پر کالے رنگ کی ہانڈی یا کوئی اور چیز رکھ دیتے ہیں، اس کی اصل بھی یہی حدیث ہے۔ و اللہ تعالیٰ اعلم

نظر بد اور اس کے متعلقات پر تفصیلی گفتگو کے بعد اب ہم دم کرنے کے ذکر پر مشتمل بقیہ احادیث مبارکہ کی طرف آتے ہیں۔

صحابہ اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ایک دوسرے کو دم کرنا

حضرت عبد العزیز بن صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور ثابت بنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا: اے ابو حمزہ! مجھے تکلیف ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کیا میں آپ پر ان کلمات سے دم نہ کروں جن کلمات سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم دم فرماتے تھے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کلمات کہے:

اللهم رب الناس، مذهب الباس، اشف أنت الشافي، لا شافي إلا أنت، شفاء لا يغادر سقما۔[94]

اے اللہ! لوگوں کے رب، تکلیف کو ختم کرنے والے، شفاء عطا فرما! شفاء دینے والا تو ہی ہے، تیرے سوا شفاء دینے والا کوئی نہیں۔ ایسی شفاء دے جو کوئی بیماری رہنے نہ دے۔

---

93 (کشف الاستار عن زوائد البزار، رقم الحدیث: ۳۰۵۴، مجمع الزوائد، ج۵، رقم الحدیث: ۸۴۳۳)

94 (بخاری، رقم الحدیث: ۲۷۴۲)

یہ حدیث امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام احمد اور امام بیہقی نے بھی ذکر کی ہے۔[95]

دم کرنے کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجتہاد اور تائید نبوی

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے چند صحابہ سفر میں تھے۔ ان کا بعض عرب قبائل سے گزر ہوا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان سے مہمانی کا مطالبہ کیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اس قبیلہ کے سردار کو ایک بچھو نے کاٹ لیا۔ انہوں نے اس کے لئے ہر جتن کیا، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ جو لوگ یہاں (باہر) ٹھہرے ہوئے ہیں ہو سکتا ہے ان کے پاس کوئی علاج ہو۔ وہ لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس) آئے اور کہا اے مسافرو! ہمارے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا ہے اور ہم ہر قسم کی کوشش کر چکے ہیں لیکن اسے کسی چیز سے فائدہ نہیں ہوا۔ کیا تم میں سے کسی کے پاس کوئی چیز ہے؟ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: ہاں! اللہ تعالیٰ کی قسم میں دم کرتا ہوں، لیکن ہم نے تم سے مہمانی طلب کی اور تم نے ہماری مہمانی نہیں کی۔ اب میں تمہیں قطعًا دم نہیں کروں گا، جب تک کہ تم مجھے کوئی معاوضہ نہ دو۔ انہوں نے بکریوں کی ایک تعداد معین طے کی تو وہ صحابی تشریف لے گئے اور سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم فرمایا۔ پس وہ سردار اس تکلیف سے یوں آزاد ہو گیا جس طرح کوئی بندھی ہوئی چیز رسی سے آزاد ہو جائے۔ سردار نے کہا: ان لوگوں سے تم نے جس معاوضے کا وعدہ کیا ہے وہ انہیں پورا پورا دے دو۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا: یہ معاوضہ تقسیم کرو، لیکن جس شخص نے دم کیا تھا اس نے کہا: تقسیم نہ کرو، یہاں تک کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

---

[95] (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۳۸۹۰، جامع ترمذی، رقم الحدیث: ۹۷۳، مسند احمد، رقم الحدیث: ۱۲۵۶، السنن الکبریٰ للبیہقی، رقم الحدیث: ۱۰۸۶۱)

وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو یہ پورا ماجرہ عرض کریں پھر دیکھیں کہ آپ کیا حکم فرماتے ہیں۔ سو وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ کی خدمت میں مکمل واقعہ عرض کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: تم نے کس طرح جانا کہ یہ دم ہے؟ پھر آپ نے فرمایا: تم نے درست کیا، اسے تقسیم کرو اور اس میں اپنے ساتھ ہمارا حصہ بھی نکالو۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مسکرائے۔[96]

علامہ ابن قیم نے یہاں ایک اچھی بات کہی ہے، وہ لکھتے ہیں: سورۃ الفاتحہ کی یہ تاثیر وہاں ہوئی جو قبولیت کا مقام نہیں ہے، کیونکہ اس گاؤں کے لوگ غیر مسلم، بخیل، اجڈ اور گنوار تھے۔

فَكَيْفَ إِذَا كَانَ الْمَحَلُّ قَابِلًا۔[97]

پھر اندازہ لگائیے کہ جو محل اثر کے قابل ہو وہاں دم کی تاثیر کا کیا عالم ہو گا؟

یعنی جب ایک غیر مسلم کو اس قدر فائدہ پہنچا تو مسلمان کو کتنا فائدہ پہنچے گا؟ بشرطیکہ دم کرنے اور کروانے والا دونوں یقین واعتقاد کی دولت سے مالا مال ہوں۔

---

96 (بخاری، رقم الحدیث: ۲۲۷۶، ۵۰۰۷، ۵۷۳۶، ۵۷۳۹، مسلم، رقم الحدیث: ۵۶۹۷، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۳۴۱۸، ۳۹۰۰، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۰۶۳، ۲۰۶۴، سنن ابن ماجه، رقم الحدیث: ۲۱۵۶، السنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۱۰۸۶۸، مسند احمد، ج۳، ص ۱۰، نیز طبع جدید، رقم الحدیث: ۱۰۸۵، مسند عبد بن حمید، رقم الحدیث: ۸۶۷، مصنف ابن ابی شیبة، رقم الحدیث: ۲۳۵۷۷، سنن الدارقطنی، رقم الحدیث: ۳۰۱۵ تا ۳۰۱۸، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۶۰۷۹، ۶۰۸۰، مستدرک، رقم الحدیث: ۲۰۹۸، شعب الایمان، رقم الحدیث: ۲۳۶۶، عمل الیوم واللیلة لابن السنی، رقم الحدیث: ۶۳۶، نیل الاوطار، رقم الحدیث: ۲۳۷۷)

97 (مدارج السالکین، ج ۱، ص ۷۹)

منکرین دم پر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا رد

عصرِ حاضر میں بعض جہلاء دم کرنے اور کرانے پر اعتراضات کرتے ہیں اور بزعم خویش اس کو اپنی روشن خیالی تصور کرتے ہیں۔ بعض مرتبہ اہلِ علم لوگ بھی اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دم کرنا درست نہیں ہے۔ ایسے تمام جاہل اور متجاہل لوگوں کے سامنے ہم حافظ الدنیا امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی درج ذیل عبارت پیش کر رہے ہیں، شاید اس عبارت سے کسی شخص کی چشم بصیرت واہو جائے۔

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اسود بن یزید تابعی نے وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ (الفلق ۴) سے دلیل پکڑتے ہوئے دم کرنے کو مطلقاً مکروہ کہا اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پڑھ کر دم کرنے کو مکروہ کہا۔ اسود بن یزید کے لئے تو اس آیت میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ پھونک مار کر دم کرنا تب مکروہ ہے جب جادو کے ذریعے ہو یا اہل باطل کا کلام ہو۔ اس آیت میں مطلقاً پھونک مار کر دم کرنے کی مذمت نہیں ہے کیونکہ یہ چیز احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

رہے ابراہیم نخعی، ان پر تو خود حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حجت ہے۔ جس میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں قصہ بیان کیا اور عرض کیا کہ انہوں نے مریض پر سورۃ الفاتحہ پڑھ کر تھوڑے سے آب دہن کی آمیزش کے ساتھ اس پر دم کیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ان پر تنکیر نہ فرمائی۔ پس یہ پھونک مار کر دم کرنے کی قوی دلیل ہے"۔[98]

---

[98] (فتح الباری، ج ۱۱، ص ۲۶۹)

جب اس قدر واضح اور روشن عمل کو بھی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مکروہ کہہ دیا تو وہ اگر قرآن کریم کو لکھ کر اور اسے گھول کر پینے کے عمل کو مکروہ قرار دیں تو کیا فرق پڑتا ہے، اور کون ان کے بلا دلیل قول کو تسلیم کرتا ہے؟

لفظ "تفل" اور "نفث" کے معانی کی تحقیق اور دم کرنے کا طریقہ

دم کرنے کے ذکر پر مشتمل متعدد احادیث میں "تَفْلٌ" اور "نَفْثٌ" کے الفاظ آئے ہیں، لہٰذا مناسب ہے کہ ان الفاظ کے معنی کی تحقیق کر دی جائے۔

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

"تفل" منہ سے پھونک مارنے کو کہتے ہیں، اس کے ساتھ کچھ لعاب دہن کی آمیزش ہوتی ہے اور جو بغیر لعاب دہن کے فقط پھونک ہو وہ "نفث" ہے۔[99]

لسان العرب میں اس مقام پر کچھ الفاظ چھوٹ گئے ہیں، کیونکہ نفث خالی تھوک کو نہیں کہتے۔ "نفث" کا صحیح معنی وہ ہے جو ہم نیچے لکھ رہے ہیں۔

آب دہن جب تک منہ کے اندر رہے تو وہ "رِیْقٌ" ہے، اسے منہ سے مکمل باہر پھینکا جائے تو "بَزْقٌ" ہے اور اگر پھونک کے ساتھ کچھ تھوک ملایا جائے تو وہ "تَفْلٌ" ہے اور اس سے بھی کم مقدار میں تھوک کی آمیزش تو وہ "نَفَثٌ" ہے اور جو تھوک کے بغیر فقط ہوا ہو وہ "نَفَخٌ" ہے۔

امام جوہری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

"تفل، بزق کے مشابہ ہوتی ہے لیکن یہ اس سے بہت ہی کم ہوتی ہے، اول درجہ "بزق" ہے، پھر "تفل" پھر "نفث" پھر "نفخ" ہے"۔[100]

---

[99] (لسان العرب، ج ۲، ص ۳۸)
[100] (الصحاح للجوھری، ج ۲، ص ۱۲۳۷)

علامہ جوہری کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ''نفث'' اس دم کو کہا جاتا ہے جس میں کچھ تھوک کی آمیزش ہو۔ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق بھی یہی ہے کہ ''نفث'' میں نہایت قلیل مقدار میں تھوک کی آمیزش ہوتی ہے۔[101]

''لسان العرب'' میں بھی دوسرے مقام پر اسی طرح لکھا ہوا ہے۔[102]

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

وَفِي النَّفْثِ وَالتَّفْلِ اسْتِعَانَةٌ بِتِلْكَ الرُّطُوبَةِ وَالْهَوَاءِ۔[103]

اور ''نفث'' اور ''تفل'' میں منہ کی رطوبت اور ہوا کی برکت سے مدد طلب کرنا ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیات الٰہیہ اور ادعیہ ماثورہ پڑھ کر دم کرنے والے کے لئے سنت طریقہ یہ ہے کہ پھونک کے ساتھ نہایت قلیل مقدار میں منہ کا پانی بھی شامل کرے، لیکن اتنا بھی نہ کہ دم کرانے والے کا ناک میں دم کر دے اور اس کے لئے الٹی مصیبت بن جائے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مبارک تھوک کی تو شان ہی نرالی تھی کہ لوگ اپنے چہروں پر ملتے تھے، کھارے کنویں اس سے شیریں ہو جاتے تھے، بیمار شفاء یاب ہو جاتے تھے، اندھی آنکھیں اس لعاب دہن سے درست ہو جاتی تھیں اور ٹوٹی ہوئی پنڈلیاں جڑ جاتی تھیں۔

جس سے کھارے کنویں شیرۂ جاں بنے   اُس زُلال حلاوت پہ لاکھوں سلام

---

101 (المفردات، ج ۲، ص ۶۳۶)

102 (لسان العرب، ج ۱۴، ص ۲۲۳)

103 (زادالمعاد، ج ۴، ص ۱۶۴)

قرآنی آیات کو گھول کر پینے کا حکم

امام زرکشی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وَأَفْتَى الشَّيْخُ أَيْضًا بِالْمَنْعِ مِنْ أَنْ يَشْرَبَ شَيْئًا كُتِبَ مِنَ الْقُرْآنِ لِأَنَّهُ تُلَاقِيهِ النَّجَاسَةُ الباطنة وفيما قاله لِأَنَّهَا فِي مَعْدِنِهَا لَا حُكْمَ لَهَا وَمِمَّنْ صَرَّحَ بِالْجَوَازِ مِنْ أَصْحَابِنَا الْعِمَادُ النِّيهِيُّ تِلْمِيذُ الْبَغَوِيِّ فِيمَا رَأَيْتُهُ بِخَطِّ ابْنِ الصَّلَاحِ قَالَ: لَا يَجُوزُ ابْتِلَاعُ رُقْعَةٍ فِيهَا آيَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ فَلَوْ غَسَلَهَا وَشَرِبَ مَاءَهَا جَازَ وَجَزَمَ الْقَاضِي الْحُسَيْنُ وَالرَّافِعِيُّ بِجَوَازِ أَكْلِ الْأَطْعِمَةِ الَّتِي كُتِبَ عَلَيْهَا شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ۔[104]

شیخ ابن عبد السلام نے جس چیز پر قرآن لکھا گیا ہو اس کے پینے پر ممانعت کا فتویٰ دیا ہے۔ اس لئے کہ وہ باطنی نجاست سے مل جاتی ہے، لیکن ان کے قول میں نظر ہے، کیونکہ وہ چیز معدہ میں ہے اس کے لئے کوئی حکم نہیں، اور جنھوں نے اس کے جواز کی صراحت فرمائی وہ امام بغوی کے شاگرد عماد نیہی ہیں۔ میں نے ان کا یہ قول امام ابن صلاح کی تحریر میں پڑھا۔ انہوں نے فرمایا: اس کاغذ کا نگلنا جائز نہیں جس میں قرآن کی آیت مرقوم ہو، ہاں اگر اسے دھویا جائے اور اس کا پانی پیا جائے تو جائز ہے، اور قاضی حسین اور امام رافعی نے قطعیت سے اسے طعام کے کھانے کو جائز قرار دیا جس پر قرآن مجید سے کچھ لکھا گیا ہو۔

امام سیوطی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔[105]

اس کے بعد علامہ زرکشی نے اس مسئلہ کے حوالے سے امام بیہقی کی مشہور کتاب "شعب الایمان" سے ایک قصہ ذکر فرمایا ہے، جس کا ترجمہ ہدیۂ قارئین ہے۔

---

[104] (البرھان فی علوم القرآن، ج۲، ص۱۰۵)

[105] (الاتقان، ج۲، ص۴۰۰، ۴۰۱)

"ابو عبد الرحمٰن السلمی نے منصور بن عمار کے حالات میں ذکر کیا ہے کہ منصور بن عمار کو حکمت ودانائی عطا فرمائی گئی تھی، اس کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ انہوں نے راستہ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا پایا جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہوئی تھی۔ انہوں نے وہ اٹھایا تو انہیں کوئی مناسب جگہ سمجھ نہ آئی جہاں اسے رکھ دیتے تو انہوں نے اسے کھالیا۔ پھر انہیں اس طرح کچھ دکھایا گیا جیسا کہ حالت خواب میں دیکھا جاتا ہے۔ ایسا منظر تھا گویا کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا "اللہ تعالیٰ نے کاغذ کے اس ٹکڑے کے احترام کی برکت سے تجھ پر اپنی حکمت کا دروازہ کھول دیا۔ اس کے بعد جب وہ کلام کرتے تو حکمت پر مبنی ہوتا"۔[106]

امام بیہقی کے علاوہ یہ واقعہ امام قشیری اور امام ابن الملقن نے بھی ذکر کیا ہے۔[107]

امام زرکشی، امام سیوطی اور امام بیہقی وغیرھم کی عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر قرآنی آیات کسی چیز، کاغذ یا مٹھائی کی ٹکیہ وغیرہ پر مرقوم ہوں تو ان اشیاء کا کھانا یا پینا بے ادبی میں شامل نہیں، بلکہ حصول شفاء کا موجب ہے۔

اب ہم تعویذات کو بازو میں باندھنے اور گلے وغیرہ میں لٹکانے کی شرعی حیثیت کا جائزہ لیتے ہیں۔ **والتوفیق من اللہ الکریم!**

---

[106] (شعب الایمان، ج ۲، ص ۵۴۵)

[107] (الرسالۃ القشیریۃ، ص ۶۳، طبقات الاولیاء لابن الملقن، ص ۲۱۹)

تعویذ لٹکانے اور باندھنے کا بیان

جسمانی امراض میں قرآن حکیم سے شفاء کے حصول کا ایک طریقہ یہ بھی چلا آرہا ہے کہ آیات قرآنی لکھ کر گردن یا بازو وغیرہ میں لٹکائی یا باندھی جاتی ہیں۔ یہ طریقہ آغاز اسلام سے اب تک روئے زمین کے تمام مسلمانوں میں مروج اور مقبول ہے، مگر دورِ حاضر کے کچھ نام نہاد موحدین کے نزدیک یہ طریقہ نہ صرف یہ کہ ناپسندیدہ ہے بلکہ یہ ان کے نزدیک صریح شرک ہے۔ "العیاذ باللہ"

یہ لوگ جس شخص کی گردن وغیرہ میں تعویذ لٹکتا یا باندھا ہوا دیکھ لیں اس سے کافر و مشرک سے بھی زیادہ نفرت کرتے ہیں اور بزعم خویش اس کارروائی سے وہ اپنی گرتی ہوئی توحید کو سہارا دیتے ہیں۔ لہٰذا آئندہ سطور میں ہم اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کر رہے ہیں۔

تعویذ لٹکانے کے بارے میں مذاہب

اس مسئلے کی تحقیق میں مذاہب اربعہ کے علماء کرام کی عبارات نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ مذاہب اربعہ کے علماء کرام کی عبارات اور دورِ حاضر کے نام نہاد توحیدی اور شرک کے فتوے لگانے والے لوگوں کی خرافات دونوں کو سامنے رکھ کر ہر قاری باآسانی یہ فیصلہ کر سکے کہ حق کیا ہے؟

تعویذ لٹکانے کے بارے میں علماء شافعیہ کا نظریہ

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص تمیمہ لٹکائے اللہ تعالیٰ اس کا مقصد پورا نہ فرمائے۔

اس کی شرح کرتے ہوئے امام بیہقی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وَهَذَا أَيْضًا يَرْجِعُ مَعْنَاهُ إِلَى مَا قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ, وَقَدْ يُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ وَمَا أَشْبَهَهُ مِنَ النَّهْيِ وَالْكَرَاهِيَةِ فِيمَنْ تَعَلَّقَهَا وَهُوَ يَرَى تَمَامَ الْعَافِيَةِ وَزَوَالَ الْعِلَّةِ مِنْهَا عَلَى مَا كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَصْنَعُونَ, فَأَمَّا مَنْ تَعَلَّقَهَا مُتَبَرِّكًا بِذِكْرِ اللهِ تَعَالَى فِيهَا وَهُوَ يَعْلَمُ أَنْ لَا كَاشِفَ إِلَّا اللهُ وَلَا دَافِعَ عَنْهُ سِوَاهُ فَلَا بَأْسَ بِهَا إِنْ شَاءَ اللهُ۔[108]

یہ حدیث بھی اسی معنی کی طرف لوٹتی ہے جو ابو عبید نے بیان کیا اور احتمال ہے کہ یہ اور اس کے مشابہ دیگر احادیث جن میں تعویذ لٹکانے کی ممانعت اور کراہت مذکور ہے اس شخص کی مذمت میں ہوں جو شفاء کا دارومدار تعویذات پر سمجھتا ہے (اور ان کو بالذات مؤثر سمجھتا ہے) جیسا کہ اہل جاہلیت کرتے تھے۔ رہا وہ شخص جو تعویذات کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے برکت حاصل کرنے کی خاطر لٹکاتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ شفاء دینے والا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں اور مصیبت کو دفع کرنے والا اس کے سوا اور کوئی نہیں تو انشاء اللہ تعویذ لٹکانے میں کوئی حرج نہیں۔

اس کے بعد امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تعویذات کے جواز اور عدم جواز پر بہت سی احادیث لکھیں اور آخر میں فرمایا:

وَهَذَا كُلُّهُ يَرْجِعُ إِلَى مَا قُلْنَا مِنْ أَنَّهُ إِنْ رَقَى بِمَا لَا يُعْرَفُ أَوْ عَلَى مَا كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ إِضَافَةِ الْعَافِيَةِ إِلَى الرُّقَى لَمْ يَجُزْ, وَإِنْ رَقَى بِكِتَابِ اللهِ أَوْ بِمَا يَعْرِفُ مِنْ ذِكْرِ اللهِ مُتَبَرِّكًا بِهِ وَهُوَ يَرَى نُزُولَ الشِّفَاءِ مِنَ اللهِ تَعَالَى فَلَا بَأْسَ بِهِ، وَبِاللهِ التَّوْفِيقُ۔[109]

یہ سب احادیث اسی معنی کی طرف لوٹتی ہیں جو اوپر بیان ہوا۔ یہ کہ اگر تعویذ سمجھ میں نہ آئے یا اس میں اہل جاہلیت کا کلام ہو، یا شفاء کی نسبت حقیقتًا تعویذ کی طرف کی جائے تو ناجائز ہے، اور اگر

---

[108] (سنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۹، ص ۵۸۹)

[109] (سنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۹، ص ۵۹۰)

تعویذ کتاب اللہ یا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہو جس کا معنی معلوم ہو اور اس سے حصول برکت مقصود ہو اور تعویذ لٹکانے والا شخص شفاء من جانب اللہ سمجھے تو کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطاء فرمائے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں:

"حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے لڑکے کے لئے تعویذ لکھتے تھے۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ نافع بن یزید نے یحییٰ بن سعید سے دم کرنے اور تعویذ لٹکانے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

كَانَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ يَأْمُرُ بِتَعْلِيقِ الْقُرْآنِ وَقَالَ: لَا بَأْسَ بِهِ۔[110]

سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن کریم سے تعویذ لٹکانے کا حکم کرتے تھے اور فرماتے تھے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

بعض زائغین (کج روش لوگوں) نے "تعویذ گنڈا شرک ہے" کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے، اس میں انہوں نے صرف وہ احادیث درج کیں جن میں دم کرنے اور تعویذ لٹکانے کو شرک کہا گیا ہے۔ انہوں نے یہ زحمت گوارہ نہیں کی کہ ان احادیث کے ساتھ وہ ایسی احادیث کو بھی لکھ دیتے جن میں دم اور تعویذات کو جائز فرمایا گیا، یا پھر وہ اتنی زحمت ہی برداشت کر لیتے کہ جو احادیث انہوں نے لکھی ہیں ان کا صحیح محمل بیان کر دیتے، لیکن چونکہ انہیں امت مسلمہ کی اکثریت کو مشرک کہنا کا شوق تھا سو انہوں نے اپنا شوق پورا کیا۔ **معاذ اللہ!**

بعض زائغین (ٹیڑھی راہ چلنے والوں) کے برعکس امام بیہقی نے دم اور تعویذات کے جواز اور عدم جواز پر تمام کی تمام احادیث درج فرمائیں اور ہر دو قسم کی احادیث کے مابین ایسی مطابقت بیان فرمائی کہ حق اور باطل کے درمیان کوئی التباس اور اشتباہ نہیں رہا۔ امام بیہقی کی تفصیلی عبارات ہم

---

110 (سنن الکبریٰ، ج ۹، ص ۵۹۰)

ابھی ابھی بیان کر چکے ہیں۔یقیناً امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی احادیث پر نظر اور ان کی فہم بعض زائغین جیسے کروڑہا افراد سے کروڑہا درجہ بہتر ہے۔ لہٰذا بعض زائغین کا فتویٰ حدیث شریف کے مطابق خود انہی کی طرف لوٹا۔

امام ابن عساکر شافعی لکھتے ہیں:

"ابراہیم بن وثیمہ النصری نے عثمان بن محمد القاری سے فرمایا کہ ان آیات کو اپنے اوپر لازم کر لو جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ جن اور جنوں کے مرض کو دفع کر دیتا ہے۔ تم انہیں ہر روز پڑھا کرو جو شکایت بھی ہو گی دفع ہو جائے گی۔ وہ آیات یہ ہیں: سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۶۳، آیت الکرسی، سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیات، سورۃ الاعراف کی آیات ۵۴، ۵۵ اور ۵۶، اور سورۃ الحشر کی آخری آیات۔ عثمان بن محمد نے ان آیات کو اپنے اوپر لازم کر لیا تو ہر بیماری سے بری ہو گئے۔ ابراہیم بن وثیمہ فرمایا کرتے تھے: یہ آیات تم اپنے بچوں کے لئے رات کو ڈر جانے اور جنوں سے بچاؤ کے لئے لکھا کرو۔[111]

امام زرکشی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

"امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک شخص نے آشوب چشم کی شکایت کی تو آپ نے اس کی طرف ایک کاغذ میں یہ تعویذ لکھ کر بھیجا "**بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ (ق ۲۲) لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ (فصلت ۴۴)**" اس شخص نے وہ تعویذ پہن لیا تو بیماری سے بری ہو گیا۔

---

[111] (مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر، ج۴، ص ۱۷۱)

امام زرکشی نے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ حاملہ عورت کے لئے تعویذ لکھتے جو کہ اس پر لٹکایا جاتا۔[112]

محيي السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود البغوی الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

"حماد نے کہا: ابراہیم نخعی ہر اس چیز کو مکروہ سمجھتے تھے جو کسی بچے یا بڑے پر لٹکائی جائے اور کہتے تھے کہ یہ تمائم سے ہے، اور سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں وہ تمیمہ نہیں جو نزول تکلیف کے بعد لٹکایا جائے، بلکہ تمیمہ وہ ہے جو نزول مصیبت سے پہلے لٹکایا جائے تاکہ اس سے تقدیر الٰہی کو ٹالا جائے۔ عطاؒ فرماتے ہیں جو تعویذ قرآن کریم سے لکھے جائیں ان کا شمار تمام میں نہیں ہوتا اور سعید بن مسیب رحمہ اللہ تعالیٰ سے چھوٹے تعویذوں کے بارے میں پوچھا گیا جن میں قرآن لکھا جاتا ہے پھر وہ عورتوں اور بچوں کے گلے میں لٹکائے جاتے ہیں تو فرمایا: ان میں کوئی حرج نہیں"۔[113]

علامہ ابو حیان اندلسی الغرناطی الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

"امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وہ تعویذات جن میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اسماء مبارکہ مرقوم ہوں بطور برکت مریضوں کے گلے میں لٹکائے جائیں تو کوئی حرج نہیں، جبکہ ان کے ذریعے نظر بد کے دفاع کا ارادہ نہ کیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نظر بد لگنے سے پہلے نہ لٹکایا جائے، ہاں نزول تکلیف کے بعد کشادگی، عافیت اور شفاء کی امید پر لٹکایا جائے تو جائز ہے، جیسا کہ نظر بد وغیرہ کے بارے میں صحیح احادیث وارد ہیں، اور سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: قرآنی تعویذ کو کسی ڈبیہ یا کاغذ میں لپیٹ کر لٹکانے میں کوئی حرج نہیں، جبکہ تعویذ کو بوقت جماع یا بیت الخلاء میں جاتے وقت اتار لیا جائے۔ امام باقر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بچوں کے گلے میں تعویذ لٹکانے کی رخصت دی

---

112 (البرھان، ج۲، ص ۶۴)

113 (شرح السنۃ، ج۶، ص ۲۵۸)

ہے، اور امام ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس چیز میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے جس میں قرآن مجید لکھا ہوا ہو اور اسے کوئی انسان لٹکائے"۔[114]

تعویذ لٹکانے کے بارے میں علماء مالکیہ کا نظریہ

امام قیروانی مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا: کیا بخار والے شخص کے لئے قرآن لکھا جا سکتا ہے؟

قال لا بأس به، ولا بأس ان یرقی بالکلام الطیب ولا بأس بالمعاذۃ تعلق وفیھا القرآن وذکر اللہ اذا حرز علیھا جلد۔

فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں، اور پاکیزہ کلام سے دم کرنے اور ایسا تعویذ لٹکانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں جس میں قرآن اور ذکر الٰہی ہو، بشرطیکہ اس پر چمڑا چڑھایا گیا ہو۔

اس سے ذرا آگے چل کر امام قیروانی لکھتے ہیں:

قال اللیث: لا بأس ان یعلق علی النفساء والمریض الشیء من القران اذا حرز علیہ ادم او کان فی قصبۃ واکرہ قصبۃ حدید۔[115]

حضرت لیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: نفاس والی عورت اور مریض پر اس چیز کے لٹکانے میں کوئی حرج نہیں جس میں قرآن مرقوم ہو، جبکہ اس پر چمڑا چڑھایا جائے یا وہ کسی خول دار چیز میں محفوظ ہو، اور میں لوہے کے خول کو مکروہ سمجھتا ہوں۔

---

[114] (البحر المحیط، ج۷، ص ۱۰۴)

[115] (کتاب الجامع، ص ۲۳۷، ۲۳۸)

امام قرطبی مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے، آپ لکھتے ہیں:

”امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بیماروں کے گلے میں بطور تبرک اُن تعویذات کے ڈالنے میں کوئی حرج نہیں ہے جن میں اللہ جل جلالہ کے اسماء حسنیٰ لکھے ہوئے ہوں، بشرطیکہ تعویذ لٹکانے والا شخص تعویذ لٹکانے میں نظر بد کی مدافعت کی نیت نہ کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تعویذ نزول مرض سے پہلے نہ لٹکایا جائے۔ اس قول پر اہل علم کی ایک جماعت کا اتفاق ہے۔ ان کے نزدیک صحیح مذہب یہ ہے کہ جانور ہوں یا انسان کسی پر بھی نظر بد کے لگ جانے کے خوف کی وجہ سے تعویذ لٹکانا جائز نہیں، لیکن بیماری لگ جانے کے بعد اسماء الٰہیہ یا قرآنی تعویذات کا بیماری سے بری اور شفاء یاب ہونے کی غرض سے لٹکانا جائز ہے، اور یہ اس مباح دم کی طرح ہے جس کی اباحت پر احادیث مبارکہ وارد ہیں، جیسا کہ نظر بد اور دیگر امراض کے بارے میں احادیث موجود ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نیند میں ڈر جائے تو اسے چاہیئے کہ وہ یہ دعا پڑھے: **اعوذ بکلمات التامة من غضبه وسوء عقابه ومن شر الشياطين وان يحضرون۔** (میں اللہ تعالیٰ کے غضب، اس کی سخت سزا اور شیطانوں کے چمٹ جانے اور ان کی شرارتوں سے اللہ تعالیٰ کے کلمات کاملہ سے اس کی پناہ میں آتا ہوں) حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بڑی اولاد کو یہ دعا سکھاتے تھے اور چھوٹے بچوں کے گلے میں لکھ کر لٹکاتے تھے۔

ا۔ اگر کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کوئی چیز لٹکائی اسے اسی چیز کے سپرد کیا جائے گا۔

۲۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ام ولد پر ایک بندھا ہوا "تمیمۃ" (تعویذ) دیکھا تو اسے سختی کے ساتھ کھینچ کر توڑ دیا اور فرمایا: بے شک ابن مسعود کی آل، شرک سے بیزار ہے۔ پھر فرمایا: بے شک تائم، دم اور تولہ شرک ہے۔ پوچھا گیا تولہ کیا چیز ہے؟ فرمایا: جس کے ذریعے اپنے شوہر کی محبت حاصل کی جائے۔

۳۔ عقبہ بن عامر الجھنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: جو شخص تمیمہ لٹکائے اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ فرمائے اور جو شخص گھونگا لٹکائے اللہ تعالیٰ اس کی تکلیف دور نہ کرے۔

خلیل بن احمد کہتے ہیں: تمیمۃ اُس پٹے کو کہتے ہیں جس میں تعویذ ہو اور "ودعۃ" کوڑی یا گھونگے کو کہتے ہیں۔ ابو عمرو فرماتے ہیں کلام عرب میں تمیمۃ "قلادۃ" (پٹے) کو کہا جاتا ہے اور اہل علم کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ نظر بد یا کوئی بیماری جو ابھی نہ لگی ہو اور جس کے لگنے یا نہ لگنے کا کائی علم نہ ہو اس کے خوف کی وجہ سے گردن میں جو پٹہ لٹکایا جائے وہ تمیمۃ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ایسے پٹے لٹکانے والے کی صحت اور عافی کو پورا نہ فرمائے۔ اور "ودعۃ" بھی تمیمۃ کی مثل ہے۔ اللہ اس کے لٹکانے والے کو برکت نہ دے۔

سو یہ سب احادیث ان امور سے ڈرانے کے لئے ہیں جنہیں اہل جاہلیت کیا کرتے تھے۔ یعنی پٹے اور گھونگے لٹکاتے تھے اور گمان یہ کرتے تھے کہ یہ چیزیں انہیں بیماری کے لگنے سے محفوظ رکھیں گی اور ان سے مصائب کا رخ پھیر دیں گی، جبکہ مصائب و آلام کا رخ پھیر دینا اللہ جل جلالہ کا کام ہے اور عافیت دینے والا اور ابتلاء میں ڈالنے والا صرف وہی ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ پس رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے جو کچھ اہل جاہلیت کیا کرتے تھے اس سے روک دیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: جو تعویذ نزول بلا کے بعد لٹکایا جائے وہ تمائم سے نہیں، اور بعض اہل علم نے ہر حال میں تعویذ کا لٹکانا مکروہ سمجھا ہے، نزول بلا سے پہلے ہو خواہ بعد، لیکن پہلا قول حدیث و قیاس کی روسے زیادہ صحیح ہے۔ان شاءاللہ تعالیٰ

اور وہ جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے تو اس کی مراد یہ ہے کہ ان کے نزدیک وہ چیز مکروہ ہے جو قرآن کے علاوہ ہو اور دست شناسوں اور کاہنوں (نجومیوں) سے لی گئی ہو کیونکہ قرآن سے شفاء حاصل کرنا تعویذ لٹکانے کے ساتھ ہو یا تعویذ لٹکائے بغیر ہو کسی صورت میں بھی شرک نہیں۔ رہ گیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا یہ فرمان کہ جس شخص نے کوئی چیز لٹکائی وہ اسی کے سپرد کیا جائے گا، تو اس میں احتیاط یہ ہے کہ جو شخص قرآن کریم کا تعویذ لٹکائے اسے چاہیئے کہ وہ اپنی بیماری یا اپنے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے کیونکہ وہی ذات ہے جس کی طرف رغبت کی جاتی ہے اور وہی ذات بزرگ و برتر ہے جس پر توکل کیا جاتا ہے۔ لہٰذا قرآن کے ذریعے شفاء حاصل کرنے میں بھی توکل اسی پر ہو گا، اور حضرت ابن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا کہ کیا تعویذ لٹکانا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: تعویذ جب کسی ڈبیہ میں محفوظ ہو یا اس پر کوئی چیز لپیٹ دی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ (امام قرطبی فرماتے ہیں) یہ تب جائز ہے جب اس میں قرآن لکھا ہوا ہو۔

حضرت ضحاک سے منقول ہے کہ وہ اس چیز میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے جو قرآن کریم سے لی گئی ہو اور اسے کوئی شخص اپنے گلے میں لٹکائے، بشرطیکہ جماع کے وقت اور بیت الخلاء میں جاتے وقت اتار دے، اور امام ابو جعفر محمد بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بچوں کے گلے میں تعویذ لٹکانے کی

اجازت دی ہے، اور امام ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس چیز میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے تھے جو قرآن سے حاصل کی گئی ہو اور اسے کوئی انسان (خواہ بڑا ہو یا چھوٹا) لٹکائے۔[116]

امام قرطبی کی طویل عبارت میں جتنے اقوال مذکور ہیں وہ سب امام ابن ابی شیبہ کی مشہور تصنیف "**المصنف**" میں موجود ہیں۔ ابن ابی شیبہ نے ان اقوال پر یہ عنوان قائم کیا ہے "**من رخص فی تعلیق التعاویذ**" (وہ لوگ جنہوں نے تعویذات کے لٹکانے کی اجازت دی ہے)۔[117]

امام قرطبی نے مکمل وضاحت فرمادی کہ جو چیز شرک یا مکروہ ہے وہ اہل جاہلیت کا کلام ہے یا ان کے قلادے، کوڑیاں، سیپیاں اور گھونگے وغیرہ ہیں۔ جن کے لٹکانے میں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ اشیاء از خود ہر مصیبت کو دفع کرتی ہیں، **نعوذ باللہ**!

اہل اسلام قطعًا یہ چیزیں نہیں لٹکایا کرتے۔ وہ اگر تعویذ بناتے ہیں تو اس میں قرآن لکھا ہوتا ہے یا اسماء الٰہیہ اور اس میں بھی ان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ شفاء من جانب اللہ ہے۔ مسلمانوں کے بارے میں اس کے علاوہ کچھ سوچنا سوءِ ظن ہے۔

ماحیٔ شرک وبدعت امام ابو عبد اللہ محمد بن محمد العبدری الفاسی المالکی المعروف بابن الحاج رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشہور کتاب "**المدخل**" (جو کہ ردِ بدعات کے موضوع پر ہے) میں تعویذات کی تمام اقسام پر بحث فرمائی ہے، جس میں آپ نے قرآن حکیم و ذکر الٰہی پر مشتمل تعویذوں کے لٹکانے کو جائز فرمایا ہے۔[118]

---

116 (الجامع الاحکام القرآن، ج ۱۰، ص ۲۷۸ ومابعدھما)

117 (مصنف ابن ابی شیبۃ، ج ۵، ص ۴۲، ۴۳)

118 (المدخل لابن الحاج المالکی، ج ۴، ص ۳۲۷، ۳۲۸)

یہ حضرات ایسے پاکیزہ نفس تھے جن کا قلم خود ساختہ نظریہ کے تحت نہیں چلتا تھا، کیونکہ جن لوگوں کا قلم خود ساختہ نظریات کے تحت چلتا ہے وہ ہر اس شخص پر دل کی بھڑاس نکالنا شروع کر دیتے ہیں جو ان کے نظریئے کا قائل نہ ہو۔ جذبات کی رو میں بہہ جانے والے ہر ایسے شخص کے بارے میں بہت خوب کہا گیا ہے:

ظفر آدمی اس کو نہ جانیئے گا! ہو کتنا ہی صاحب فہم و ذکا

جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

بعض زائغین کا یہ کس قدر ظلم عظیم ہے کہ انہوں نے جن صفحات سے تعویذات کے خلاف عبارات نقل کیں انہی صفحات پر قرآنی آیات، ذکر الٰہی اور اسماء الٰہیہ پر مشتمل تعویذات کے جواز پر مکمل بحث مع دلائل موجود ہے، مگر انہیں یہ بحث نظر نہیں آئی۔ خود بتلایئے! حق کو دیکھنے سے کسی آنکھ کی روشنی سلب ہو چکی ہو تو اس کا کیا علاج؟ ایسی آنکھ کے لئے شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ بیت کس قدر مبنی بر حقیقت ہے:

گر نہ بیند بروز شب پرۂ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

(اگر چمگادڑ کی آنکھ دن کے اجالے میں نہ دیکھ سکے تو اس میں آفتاب کا کیا قصور ہے۔)

تعویذ لٹکانے کے بارے میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علماء حنابلہ کا نظریہ پیش کرنے کے لئے یہاں صرف ابن قیم حنبلی کا کلام پیش کرتا ہوں۔ علامہ ابن قیم، ابن تیمیہ کے شاگرد و پیروکار ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے شرک و بدعت کے خلاف بہت کام کیا، حتیٰ کہ ان لوگوں سے اس معاملہ میں بعض مسائل میں افراط و تفریط بھی ہو گئی۔ ایسے شدت پسند لوگوں نے بھی تعویذات کے خلاف قلم نہیں اٹھایا، بلکہ انہوں نے تعویذات کی تمام جائز اقسام

کو ٹھوس دلائل سے ثابت کیا۔ علاوہ ازیں یہ لوگ خود تعویذ لکھتے رہے، لکھ کر پیتے رہے، پلاتے رہے اور لٹکاتے رہے۔ نیز یہ لوگ جن بھی نکالتے رہے۔ غرضیکہ ہر طرح کی بیماری کے دم کرتے رہے اور تعویذ دیتے رہے۔ حوالے کے لئے ملاحظہ فرمائیں علامہ ابن قیم کی "الطب النبوی ﷺ" اور "زاد المعاد" کی چوتھی جلد اور ابن تیمیہ کا فتاویٰ وغیرہ۔ یہاں علامہ ابن قیم کے کلام کا اقتباس پیش کر رہا ہوں۔

علامہ ابن قیم الجوزیہ حنبلی لکھتے ہیں:

امام مروزی کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل کے سامنے بیان کیا گیا اور میں نے سنا۔ ابو المنذر عمرو بن مجمع نے کہا کہ ہمیں یونس بن حبان نے بتایا کہ:

سألت ابا جعفر محمد بن علی ان أعلق التعویذ فقال ان کان من کتاب اللہ او کلام عن نبی اللہ فعلقه و استشف به ما استطعت، قلت: اکتب هذه من حمی الربع باسم اللہ، و باللہ، و محمد رسول اللہ، الیٰ آخرہ؟

قال: ای نعم۔

میں نے ابو جعفر محمد بن علی (امام باقر رحمہ اللہ تعالیٰ) سے پوچھا کہ تعویذ لٹکانا جائز ہے؟ فرمایا: اگر تعویذ کتاب اللہ سے ہو یا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کلام سے ہو تو اسے لٹکاؤ اور اس کے ذریعہ جتنا تم سے ہو سکے شفاء حاصل کرو۔ میں نے عرض کیا: کیا میں باری کے بخار کے لئے یہ تعویذ لکھا کروں؟ "**بسم اللہ، و باللہ، و محمد رسول اللہ**" آخر تک۔ آپ نے فرمایا: ہاں!۔

باری کے بخار کے لئے یونس بن حبان نے امام ابو جعفر محمد بن علی رحمہ اللہ تعالیٰ سے جس تعویذ کی اجازت لی اس کے مکمل الفاظ یہ ہیں:

"بسم اللہ، و باللہ، و محمد رسول اللہ، قلنا یا نار کونی بردًا و سلامًا علیٰ ابراھیم، و ارادوا بہٖ کیدًا فجعلناھم الاخسرین، اللھم رب جبریل و میکائیل و اسرافیل، اشف صاحب ھذا الکتاب بحولک و قوتک و جبروتک، الٰہ الحق، آمین۔"

امام مروزی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کو میرے بارے میں معلوم ہوا کہ اسے بخار ہے تو آپ نے میرے لئے یہ تعویذ لکھ کر بھیجا۔

اس کے بعد ابن قیم لکھتے ہیں:

"امام احمد نے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرھا کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ وہ تعویذ کے مسئلے میں نرم نظریہ رکھتے تھے۔ حرب کہتے ہیں کہ امام احمد خود بھی اس مسئلہ میں سخت نہیں تھے۔ امام احمد نے فرمایا: ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے بہت ہی شدید مکروہ سمجھتے تھے، اور امام احمد سے وقوع مصیبت کے بعد تمائم لٹکانے کے معلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: مجھے یقین ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ خلال فرماتے ہیں کہ ہمیں عبد اللہ بن احمد نے بتایا کہ میں نے اپنے والد صاحب کو دیکھا کہ انہوں نے گھبراہٹ والے اور بخار والے شخص کے لئے نزول تکلیف کے بعد تعویذ لکھا"۔

اس کے بعد ابن قیم نے چند بیماریوں کے لئے کچھ تعویذ لکھ کر لٹکانے وغیرہ کا ذکر کیا اور اس بحث کو سمیٹتے ہوئے کہا:

وَكُلّ مَاتَقَدّمَ مِنْ الرّقَى فَإِنّ كِتَابَتَهُ نَافِعَةٌ۔ [119]

جتنی دعائیں ذکر ہوئیں ان کا (تعویذ) لکھنا بھی نافع ہے۔

---

[119] (زاد المعاد فی ھدي خیر العباد، ج ۴، ص ۳۲۶، ۳۲۷)

علامہ ابن قیم کا یہ قول "جتنی دعائیں ذکر ہوئیں انکا (تعویذ) لکھنا بھی نافع ہے"۔ متعین ابن قیم کے لئے خصوصًا قابل توجہ ہے۔

اس عبارت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمائم وغیرہ کے بارے میں جس شدید کراہت کا ذکر ہے اس کی توجیہہ امام قرطبیؒ مالکی علیہ الرحمۃ کے کلام میں گزر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ نیز درج ذیل عبارت میں بھی اس بات کی وضاحت موجود ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قال الشيخ: والذي روي عن ابن مسعود، مرفوعا "إن الرقى والتمائم والتولة شرك" فإنما أرادوا، والله أعلم، ما كان من الرقى والتمائم بغير لسان العربية مما لا يدرى ماهو۔[120]

شیخ فرماتے ہیں: اور وہ جو ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ دم، تمائم اور "تولة" شرک ہے، تو اس سے اُن کی مراد وہ دم اور تمائم ہیں جو عربی زبان میں نہ ہوں اور ان کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو سکے کہ وہ کیا ہیں۔

رقی، تمائم اور تولة کے بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شیخ کے فیصلے کے بعد کسی قسم کا شائبہ باقی نہیں رہنا چاہیئے، تاہم مکمل تسلی اس حدیث کے الفاظ کی مزید تشریح سے ہو گی۔ یہ تشریح فقہاء احناف کے نظریئے میں آ رہی ہے، جس سے انشاء اللہ عقل سلیم کو اطمینان نصیب ہو گا۔

تعویذ لٹکانے کے بارے میں ابن تیمیہ کا نظریہ

ابن تیمیہ ہیں، اس لئے ان کے تاثرات فقہاء حنابلہ کے نظریئے کہ تحت درج کر دینا کافی تھا، لیکن ان کے نام سے مستقل عنوان اس لئے قائم کر رہا ہوں تا کہ اس دور کے متشددین نجدی، وہابی

[120] (السنن الصغریٰ للبیھقی، ج ۲، ص ۴۲۳)

خصوصًا انتہا پسند عرب نجدی اور ہند و پاک میں ان کے متعصب مقلدین کی اس طرف توجہ مبذول ہو۔

ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

ویجوز ان یکتب للمصاب وغیرہ من المرضی شیئا من کتاب اللہ وذکرہ بالمداد المباح ویغسل ویسقی، کما نص علی ذلک احمد وغیرہ۔

اور جائز ہے کہ مصیبت زدہ اور دوسرے مریضوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے ذکر سے مباح روشنائی سے تعویذ لکھا جائے اور اسے دھویا اور پلایا جائے، جیسا کہ امام احمد اور دیگر علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

اس کے بعد ابن تیمیہ نے تنگیٔ ولادت کے لئے دو تعویذ لکھے ہیں، جو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں اور جن کے استعمال کا طریقہ پانی میں گھول کر پلانا تھا۔ علامہ ابن تیمیہ نے دو طریقے اور بھی لکھے ہیں۔ ایک یہ کہ اس پانی کو ناف کے اوپر اوپر چھڑکا جائے اور وہ تیسرا طریقہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال علی یکتب فی کاغدۃ فیعلق علی عضد المرؤۃ، قال علی: وقد جربناہ فلم نر شیًا اعجب منہ فاذا وضعت تحلہ سریعا ثم تجعلہ فی خرقۃ او تحرقہ۔[121]

علی بن حسن بن شقیق کہتے ہیں کہ یہ تعویذ کاغذ میں لکھا جائے، پھر عورت کے بازو میں باندھا جائے۔ علی نے کہا: ہم نے اس کو آزمایا تو اس سے عجیب چیز کوئی نہ پائی، پھر جب بچہ پیدا ہو جائے تو تعویذ فورًا اتار کر محفوظ کیا جائے یا جلا دیا جائے۔

[121] (مجموعۃ الفتاوی لابن تیمیۃ، ج ۱۹، ص ۶۵)

تعویذ لٹکانے کے بارے میں فقہاء حنفیہ کا نظریہ

علماء احناف کے نظریہ کے ضمن میں "تمیمہ، ودعة اور تولة" کی وضاحت بھی آئے گی۔ اس وضاحت میں علماء کرام کی عبارات بھی شامل کی جائیں گی۔

تمیمة، ودعة اور تولة کی تعریف

علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ تمیمہ کی توضیح میں لکھتے ہیں:

(وَالتَّمَائِمَ) : جَمْعُ التَّمِيمَةِ وَهِيَ التَّعْوِيذَةُ الَّتِي تُعَلَّقُ عَلَى الصَّبِيِّ أَطْلَقَهُ الطِّيبِيُّ، لَكِنْ يَنْبَغِي أَنْ يُقَيَّدَ بِأَنْ لَا يَكُونَ فِيهَا أَسْمَاءُ اللَّهِ تَعَالَى، وَآيَاتُهُ الْمَتْلُوَّةُ، وَالدَّعَوَاتُ الْمَأْثُورَةُ، وَقِيلَ: هِيَ خَرَزَاتٌ كَانَتْ لِلْعَرَبِ تُعَلَّقُ عَلَى الصَّبِيِّ لِدَفْعِ الْعَيْنِ بِزَعْمِهِمْ، وَهُوَ بَاطِلٌ، ثُمَّ اتَّسَعُوا فِيهَا حَتَّى سَمَّوْا بِهَا كُلَّ عَوذَةٍ ذَكَرَهُ بَعْضُ الشُّرَّاحِ، وَهُوَ كَلَامٌ حَسَنٌ، وَتَحْقِيقٌ مُسْتَحْسَنٌ۔[122]

تمائم، تمیمة کی جمع ہے، اور یہ وہ تعویذ ہے جو بچے پر لٹکایا جاتا ہے۔ امام طیبی نے اسے مطلق رکھا لیکن انصاف یہ ہے کہ اسے مقید کیا جائے کہ جس میں اسماء اور آیات الٰہیہ اور ماثورہ دعائیں نہ ہوں وہ تمیمة ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ وہ پتھر اور کوڑیاں ہیں جنہیں مشرکین عرب اپنے بچوں پر نظر بد سے بچاؤ کے لئے لٹکاتے تھے اور یہ باطل ہے۔ پھر اہل لغت نے اس کو (معنوی) وسعت دی حتیٰ کہ ہر تعویذ کو تمیمہ کہا جانے لگا، اس کو بعض شارحین نے ذکر کیا اور یہ بہترین کلام اور مستحسن تحقیق ہے۔

---

[122] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج۸، ص ۳۱۸)

حقیقی اور مجازی معنی میں فرق قائم نہ رکھنا باعثِ فساد ہوتا ہے

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اصل میں "تمیمۃ" وہ ہے جس میں اسماء الٰہیہ، قرآنی آیات اور ماثورہ (دعائیں) نہ ہوں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ وہ پتھر اور کوڑیاں ہیں جنہیں مشرکین عرب اپنے بچوں کے گلے میں اس ارادہ سے لٹکاتے تھے کہ نظرِ بد دفع ہو"۔

یہ تو تھا "تمیمۃ" کا اصل معنی لیکن بعد میں لفظ "تمیمۃ" کے معنی میں وسعت آگئی اور جائز تعویذات کو بھی "تمیمۃ" کہا جانے لگا۔ سو اگر معنوی وسعت کے باعث جائز تعویذات کو بھی لوگ "تمیمۃ" کہنے لگ گئے تو ضروری تو نہیں کہ لوگوں کے غلط العام کے باعث ایک جائز عمل ایک لفظ کے نامناسب استعمال سے ناجائز ہو جائے؟ کسی لفظ کا ایسے کئی مختلف معانی پر اطلاق ہونا کلام عرب میں اکثر ہوتا ہے۔ ہمارے قومی زبان اردو میں بھی ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔ خود اسی موضوع سے متعلق ایک مثال ملاحظہ ہو۔

لفظ "منتر" اور "گنڈا" کا استعمال جادو اور ناجائز ٹونوں اور ٹوٹکوں پر ہوتا ہے۔ لیکن عوام الناس نے جائز تعویذات کو بھی "منتر" اور "گنڈا" کہنا شروع کر دیا اور آہستہ آہستہ معنی اس قدر عام ہو گیا کہ بعض علماء نے قرآنی تعویذات پر "منتر" اور "گنڈا" کا اطلاق کر دیا اور اس کے باوجود انہوں نے تعویذات کو جائز بھی تسلیم کیا۔ دیکھئے اسی کتاب میں "تعویذ لٹکانے کے بارے میں غیر مقلدین کا نظریہ" (صفحہ ۷۷۳)۔

اردو لغت میں ''منتر'' اور گنڈا'' کے معانی ملاحظہ ہوں:

''منتر: جادو، سحر، موٹھ، ٹونا، افسون، ٹوٹکا، کلام، عمل، ودیا۔ پھر ''منتر'' کے ساتھ ''جنتر'' کا لفظ بھی شامل کیا گیا اور اس کے یہ معنی کئے گئے: جادو ٹونا، تعویذ گنڈا، جھاڑ پھونک، بھوت بدیا''۔[123]

''گنڈا'' کے معنی یہ بیان کئے گئے ہیں:

''گنڈا: کڑا، چوڑی، حلقہ، چھلا، چار عدد، چار کوڑیاں، رفع مرض کے لئے بچوں کے گلے میں باندھنے کا منتر یا عمل پڑھا ہوا دھاگہ، گھوڑوں کے گلے میں ڈالنے والا پٹہ، ہاتھ میں باندھنے کا نیلا دھاگا''۔[124]

غور فرمایئے اہل لغت نے ان دونوں لفظوں کے اصل معانی پہلے لکھے ہیں اور جو وسعتی یا مجازی معنی ہیں انہیں آخر میں رکھا ہے تا کہ ان لفظوں کے معنوی دائرہ میں جتنی حقیقی اور مجازی چیزیں آتی ہیں وہ سب کی سب قاری کے مد نظر ہوں۔ پس اگر عام بول چال میں جائز تعویذات کو ''منتر'' یا ''گنڈا'' کہہ دیا جائے تو محض اتنا کہنے سے جائز تعویذات ناجائز نہیں ہو جائیں گے، بلکہ غور کیا جائے گا کہ کس چیز کو ''منتر'' یا ''گنڈا'' کہا جا رہا ہے۔ آیا جائز تعویذات کو کہا جا رہا ہے یا جادو ٹونے کو؟ اگر جادو ٹونوں کو کہا جا رہا ہو گا تو یہ ان لفظوں کا اصلی معنی ہے، اور اگر جائز تعویذات کو ''منتر'' یا ''گنڈا'' کہا جا رہا ہو گا تو پھر سمجھا جائے گا کہ معنوی وسعت کے پیش نظر ایسا کہہ دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب کسی لفظ کا اطلاق کئی چیزوں پر ہوتا ہو تو ہر چیز کی حقیقت پر غور کیا جاتا ہے کہ وہ چیز فی نفسہٖ جائز ہے یا ناجائز؟ صرف ظاہری الفاظ پر فیصلہ کرنا دانشمندی نہیں ہے۔ یہی صورت حال لفظ ''تمیمۃ'' کی معنوی وسعت کی ہے۔ فافهم، فتدبر!

---

[123] (رابعہ اردو لغت، ص ۱۰۹۸، فیروز اللغات اردو جدید، ص ۲۵۴)

[124] (رابعہ اردو لغت، ص ۹۵۰، فیروز اللغات، ص ۵۷۸)

علامہ عبد الحئی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث "ان الرقی و التمائم و التولۃ شرک" کی تشریح میں لکھتے ہیں:

هو و أمثاله محمول على الرُّقى و التمائم على اعتقاد أنها تدفع البلاء و أن لها تأثيراً بنفسها كاعتقاد أرباب الطبائع و الجهالة، و ما خلا عن هذا الاعتقاد فلا بأس به، و قيل: المنهي عنه ما كان بغير لسان العرب، فلم يدرِ ما هو، فلعله قد دخل فيه سحر أو كفر فأما إذا كان معلوم المعنى، و كان فيه ذكر الله فيستحب الرُّقَى به، و يجوز تعليقه۔[125]

یہ اور اس کی مثل دیگر احادیث ایسے دم اور تعویذوں پر محمول ہیں جن کے بارے میں اعتقاد ہو کہ یہ از خود مصائب کو دفع کرتے ہیں اور ان میں فی نفسہٖ تاثیر ہے، جیسا کہ نیچریوں اور جاہلوں کا اعتقاد ہے، اور جو اس اعتقاد سے پاک ہیں ان میں کوئی حرج نہیں، اور کہا گیا ہے کہ وہ ممنوع ہیں جو زبان عرب میں نہ ہوں اور ان کا مطلب مبہم ہو۔ ہو سکتا ہے ان میں جادو یا کفر داخل ہو، البتہ جس کا معنی معلوم ہو اور اس میں اللہ جل جلالہ کا ذکر ہو تو اس سے دم کرنا مستحب ہے اور تعویذ لٹکانا جائز ہے۔

امام مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

"تمائم، تمیمہ کی جمع ہے، اس کی اصل وہ سیپیاں وغیرہ ہیں جنہیں اہل عرب بچوں کے گلے میں نظر بد کے دفاع کے لئے لٹکاتے تھے۔ پھر اس کے معنی میں انہوں نے وسعت پیدا کی حتیٰ کہ ہر تعویذ کا تمیمہ کا نام دے دیا۔ عرب ان میں تاثیر کا اعتقاد رکھتے تھے اور اس سے لکھی ہوئی تقدیر کو ٹالنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ سو انہوں نے تکلیف سے حفاظت کو غیر اللہ سے طلب کیا تو یہ اعتقاد جاہلیت ہوا۔ اس میں وہ تعویذ داخل نہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کا کلام ہو، اور نہ اس میں وہ شخص

---

[125] (التعليق الممجد على موطأ محمد، ج۳، ص ۳۸۳)

داخل ہے جو انہیں ذکر الٰہی سے برکت حاصل کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کو مشکل کشاء جانتے ہوئے لٹکائے"۔[126]

"وَدَعَۃ" اور "تِوَلَۃ" کی تعریف

بعض احادیث میں تمیمہ کے ساتھ "ودعۃ" اور "تولۃ" کے لٹکانے کی مذمت بھی کی گئی ہے۔
علامہ مناوی ان دونوں لفظوں کی توضیح میں لکھتے ہیں:

"مسند الفردوس" میں فرمایا ہے کہ "ودعۃ" ایک ایسی چیز ہے جو سمندر سے نکلتی ہے، سیپ کے مشابہ ہوتی ہے، اہل عرب اس کے ذریعے نظر بد سے بچاؤ کرتے تھے، اور تمیمہ وہ کوڑیاں ہیں جو نظر بد کے لئے بچوں پر لٹکائی جاتی ہیں، سو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ان کو باطل کر دیا۔

تنبیہ: امام ابن حجر وغیرہ نے فرمایا: یہ اور اس سے پہلی حدیث میں جس چیز کو محل شرک ٹھہرایا گیا ہے، یہ اس چیز کا لٹکانا ہے جس میں قرآن اور اس کی مثل پاک کلام نہ ہو، البتہ جس میں ذکر الٰہی ہو وہ ممنوع نہیں، کیونکہ اس کا لٹکانا اسماء الٰہی اور اس کے ذکر سے برکت اور پناہ کے حصول کے لئے ہے، اور اسی طرح کسی چیز کو بطور زینت لٹکانا بھی ممنوع نہیں، جبکہ اس کا لٹکانا تکبر اور اسراف کو نہ پہنچے۔[127]

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ "ودعۃ" اور "تولۃ" کا معنی بالکل واضح ہے البتہ "تمیمۃ" کے معنی میں ذرا تفصیل ہے۔ جو لوگ "تمیمۃ" کے استعمال میں اس کی معنوی وسعت کو مد نظر نہیں رکھتے وہ جائز اور ناجائز ہر قسم کے تعویذ پر "تمیمۃ" کا اطلاق کر کے اسے شرک کے کھاتے میں ڈال

---

126 (فیض القدیر ملخصًا، ج ۴، ص ۱۷۷۳)
127 (فیض القدیر، ج ۱۱، ص ۵۹۱۳)

دیتے ہیں۔ یہ نہایت بھیانک غلطی ہے۔ اگر لفظ "تمیمة" کا معنوی اطلاق صرف زمانۂ جاہلیت پر کیا جائے تو اس سے گھونگے، منکے، سیپیاں اور کوڑیاں وغیرہ مراد ہوں گی اور اگر اس کا معنوی اطلاق زمانۂ جاہلیت کے مابعد دور پر کیا جائے تو اس کی معنوی وسعت کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ پس اگر کسی تعویذ میں کتاب اللہ کی آیات، ادعیہ ماثورۃ، اسماء الٰہیہ اور صحیح المعنی کلام مرقوم ہو تو وہ تعویذ جائز ہو گا، ورنہ نہیں۔ خواہ اس تعویذ کو "تمیمة" کا نام دیا جائے یا کوئی اور نام۔ جو لوگ لفظ "تمیمة" کی اس معنوی وسعت کا لحاظ نہیں رکھتے وہ مغالطہ کا شکار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ملا علی قاری نے "تمیمة" کو مطلق رکھنے پر امام طیبی جیسے عظیم محدث کا بھی رد کر دیا اور فرمایا: "تمیمة" صرف وہ ہے جس میں آیات قرآنی، اسماء الٰہیہ اور ماثورہ دعائیں نہ ہوں۔

الحمد للہ! "تمیمة" کی تعریف سے یہ امر واضح ہو گیا کہ قرآن کریم، سنت نبویہ اور معروف (صحیح المعنی) کلام سے لکھے ہوئے تعویذات کا لٹکانا جائز ہے اور "تمیمة" اس سے الگ چیز ہے۔

کیا نزولِ بلاء سے قبل تعویذ لٹکانا جائز ہے؟

گزشتہ صفحات میں متعدد مرتبہ آپ نے یہ بات پڑھی ہو گی کہ کسی بیماری سے پہلے تعویذ لٹکانا جائز نہیں، کیونکہ اس سے تقدیر الٰہی کا ٹالنا سمجھا جاتا ہے۔ یہ بات اکثر علماء کرام نے لکھی ہے لیکن اس عاجز کو یہ بات سمجھ نہیں آ رہی تھی، کیونکہ بہت سی ایسی دعائیں ہیں جن کے پڑھنے کی برکت سے آئندہ نازل ہونے والی آفات و بلیلات سے بچاؤ ہوتا ہے۔ تعویذ لٹکانے میں بھی تو یہی نیت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ذکر اور اپنے مقدس اسماء کی برکت سے آنے والی تکالیف سے محفوظ رکھے اور جو مصیبت نازل ہو چکی ہے اس کو دور فرمائے۔ لہٰذا اگر نزول مصیبت سے پہلے کسی دعا کے پڑھنے میں شرک یا کراہت نہیں ہے تو نزول مصیبت سے پہلے مقدس اسماء اور ذکر الٰہی پر مشتمل تعویذات کے

لٹکانے میں شرک یا کراہت کیونکر ہوگی۔ جب کہ دعاء پڑھنے اور تعویذ لٹکانے والے کا بھروسہ صرف ذات الٰہی پر ہوتا ہے۔

یہ بات نہ تو میری عقل میں آرہی تھی اور نہ مجھ سے یہ جرأت ہورہی تھی کہ میں اکابرین کی عبارات کے خلاف قلم اٹھاؤں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں ان لوگوں سے نہیں ہوں جن کے قلوب اسلاف کی عظمت سے بیگانہ ہیں۔ میں سہارا تلاش کررہا تھا کہ مجھے کچھ ایسی عبارات مل جائیں جن سے میرا موقف ثابت ہوجائے۔ صرف میرا موقف ہی نہیں بلکہ اہل اسلام کے عمل کی دلیل فراہم ہوجائے، کیونکہ زمانۂ قدیم سے تمام اہلِ اسلام کا یہ عمل چلا آرہا ہے کہ وہ نزول بلاء سے قبل بھی تعویذات لٹکاتے ہیں۔ الحمد للہ! بسیار تلاش کے بعد اس مسئلہ کے حل کے لئے مجھے درج ذیل عبارات دستیاب ہوئیں۔

حضرت سعید بن مسیب، امام باقر اور امام ابن سیرین رحمہم اللہ تعالیٰ کا تعویذ لٹکانے کے بارے میں موقف

امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيِّبِ: يَجُوزُ تَعْلِيقُ الْعُوذَةِ فِي قَصَبَةٍ أَوْ رُقْعَةٍ مِنْ كِتَابِ اللهِ وَيَضَعُهُ عِنْدَ الْجِمَاعِ وَعِنْدَ الْغَائِطِ، وَرَخَّصَ الْبَاقِرُ فِي الْعُوذَةِ تُعَلَّقُ عَلَى الصِّبْيَانِ وَكَانَ ابْنُ سِيرِينَ لَا يَرَى بَأْسًا بِالشَّيْءِ مِنَ الْقُرْآنِ يُعَلِّقُهُ الْإِنْسَانُ۔[128]

ترجمہ: سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: قرآنی تعویذ کو کسی ڈبیہ یا کاغذ میں لپیٹ کر لٹکانے میں کوئی حرج نہیں، جبکہ تعویذ جماع اور بیت الخلاء جاتے وقت اتار دیا جائے، امام باقر نے

---

[128] (البحر المحیط، ج۷، ص۱۰۴، دار الفکر، بیروت)

بچوں کو تعویذ لٹکانے کی رخصت دی ہے، امام ابن سیرین اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ قرآن میں سے کچھ لکھ کر کسی انسان کے گلے میں لٹکایا جائے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لٹکانے کے لئے تعویذ لکھ کر دیا

علامہ زرکشی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وَحُكِيَ عَنِ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ أَنَّهُ شَكَا إِلَيْهِ رَجُلٌ رَمَدًا فَكَتَبَ إِلَيْهِ فِي رُقْعَةٍ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فَكَشَفْنَا عَنْکَ غِطَاءَکَ فَبَصَرُکَ الیوم حدید للذین آمنوا ھدی و شفاء فَعَلّقَ الرَّجُلُ ذَلِکَ عَلَیْہِ فبَرَأ۔[129]

ترجمہ: امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک شخص نے آشوب چشم کی شکایت کی، تو آپ نے ایک کاغذ پر اسے یہ تعویذ لکھ کر بھیجا: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمَنِ الرَّحِیمِ فَکَشَفْنَا عَنْکَ غِطَاءَکَ فَبَصَرُکَ الیوم حدید للذین آمنوا ھدی و شفاء اس شخص نے وہ تعویذ پہنا تو اس کی بیماری دور ہو گئی۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ لٹکانے کے لئے تعویذ لکھ کر دیتے

علامہ زرکشی رحمہ اللہ تعالیٰ مزید لکھتے ہیں:

وَكَانَ سُفْيَانُ الثوري يكتب للمطلقة رقعة تعلق على قلبها (إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ)۔[130]

ترجمہ: حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ مطلقہ عورت کو سورۃ (إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ) سے کاغذ پر تعویذ لکھ کر دیتے جو اس کے دل کے پاس لٹکایا جاتا۔

---

[129] (البرھان فی علوم القرآن، النوع السابع والعشرون، ج ۱، ص ۴۳۴، دار الکتب العربیہ، بیروت)
[130] (البرھان فی علوم القرآن، النوع السابع والعشرون، ج ۱، ص ۴۳۴، دار الکتب العربیہ، بیروت)

تعویذ لٹکانے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف

ابن قیم نے لکھا:

كِتَابٌ لِلْحُمَّى: قَالَ الْمَرْوَزِيّ: بَلَغَ أَبَا عَبْدِ اللهِ أَنّي حُمِمْت فَكَتَبَ لِي مِنْ الْحُمّى رُقْعَةً فِيهَا: بِسْمِ اللهِ الرّحْمَنِ الرّحِيم، بِسْمِ اللهِ، وَ بِاللهِ، مُحَمّدٌ رَسُولُ اللهِ، قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَى إبْرَاهِيمَ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ اللّهُمّ رَبّ جَبْرَائِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ اشْفِ صَاحِبَ هَذَا الْكِتَابِ بِحَوْلِك وَقُوّتِك وَجَبَرُوتِك إلَهَ الْحَقّ آمِينَ۔

ترجمہ: بخار کا تعویذ: مروزی کہتے ہیں: ابو عبد اللہ تک یہ بات پہنچی کہ میں بیمار ہوں تو انہوں نے میرے لئے بخار کا یہ تعویذ لکھ کر بھیجا: بِسْمِ اللهِ الرّحْمَنِ الرّحِيم، بِسْمِ اللهِ، وَ بِاللهِ، مُحَمّدٌ رَسُولُ اللهِ، قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَى إبْرَاهِيمَ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ اللّهُمّ رَبّ جَبْرَائِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ اشْفِ صَاحِبَ هَذَا الْكِتَابِ بِحَوْلِك وَقُوّتِك وَجَبَرُوتِك إلَهَ الْحَقّ آمِينَ۔

قَالَ الْمَرْوَزِيّ: وَقَرَأَ عَلَى أَبِي عَبْدِ اللهِ - وَأَنَا أَسْمَعُ - أَبُو الْمُنْذِرِ عَمْرُو بْنُ مُجَمّعٍ حَدّثَنَا يُونُسُ بْنُ حِبّانَ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا جَعْفَرٍ مُحَمّدَ بْنَ عَلِيّ أَنْ أُعَلّقَ التّعْوِيذَ فَقَالَ إنْ كَانَ مِنْ كِتَابِ اللهِ أَوْ كَلَامٍ عَنْ نَبِيّ اللهِ فَعَلّقْهُ وَاسْتَشْفِ بِهِ مَا اسْتَطَعْت. قُلْتُ أَكْتُبُ هَذِهِ مِنْ حُمّى الرّبْعِ بِاسْمِ اللهِ وَبِاَللّهِ وَمُحَمّدٌ رَسُولُ اللهِ إلَى آخِرِهِ؟ قَالَ أَيْ نَعَمْ. وَذَكَرَ أَحْمَدُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا وَغَيْرِهَا أَنّهُمْ سَهّلُوا فِي ذَلِك. قَالَ حَرْبٌ وَلَمْ يُشَدّدْ فِيهِ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ قَالَ أَحْمَدُ وَكَانَ ابْنُ مَسْعُودٍ يَكْرَهُهُ كَرَاهَةً شَدِيدَةً جِدّا. وَقَالَ أَحْمَدُ وَقَدْ سُئِلَ عَنْ التّمَائِمِ تُعَلّقُ بَعْدَ نُزُولِ الْبَلَاءِ؟ قَالَ أَرْجُو أَنْ لَا يَكُونَ بِهِ بَأْسٌ. قَالَ الْخَلّالُ وَحَدّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَحْمَدَ قَالَ رَأَيْتُ أَبِي يَكْتُبُ التّعْوِيذَ لِلّذِي يَفْزَعُ وَلِلْحُمّى بَعْدَ وُقُوعِ الْبَلَاءِ۔[131]

[131] (زاد المعاد لابن قیم، کتاب العسر الولادة، ج۴، ص۳۲۷، موسسة الرسالة، بیروت)

مروزی کہتے ہیں: میں نے سنا ابو المنذر عمرو بن مجمع نے ابو عبد اللہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بیان کیا: ہمیں یونس بن حبان نے بتایا کہ میں نے ابو جعفر محمد بن علی سے پوچھا کہ کیا تعویذ لٹکانا جائز ہے؟ فرمایا: اگر تعویذ کلام اللہ یا نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کلام سے ہے تو اسے لٹکاؤ اور جتنا ہو سکے اس سے شفاء حاصل کرو۔ میں نے عرض کی: کیا میں باری کے بخار میں یہ تعویذ لکھا کروں: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ، وَبِاللّٰهِ، مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ، قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ اللّٰهُمّ رَبّ جَبْرَائِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ اشْفِ صَاحِبَ هَذَا الْكِتَابِ بِحَوْلِکَ وَقُوّتِکَ وَجَبَرُوتِکَ إِلَهَ الْحَقّ آمِينَ۔ فرمایا: جی ہاں!۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہا تعویذات میں نرم گوشہ رکھتے تھے، حرب کہتے ہیں امام احمد بن حنبل بھی اس میں سخت نہیں تھے۔ خلال کہتے ہیں کہ ہمیں عبد اللہ بن احمد نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد احمد بن حنبل کو دیکھا کہ وہ گھبراہٹ والے اور بخار والے کے لئے وقوع بلا کے بعد تعویذ لکھتے۔

تعویذ لٹکانے کے جواز پر تمام شہروں کے لوگوں کا اجماع ہے

علامہ شہاب الدین سید محمد آلوسی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وقال مالک: لا بأس بتعليق الكتب التي فيها أسماء الله تعالى على أعناق المرضى على وجه التبرک بها إذا لم يرد معلقها بذلک مدافعة العين، وعنى بذلک أنه لا بأس بالتعليق بعد نزول البلاء رجاء الفرج والبر كالرقي التي وردت السنة بها من العين، وأما قبل النزول ففيه بأس وهو غريب، وعند ابن المسيب يجوز تعليق العوذة من كتاب الله تعالى في قصبة ونحوها وتوضع عند الجماع، وعند الغائط ولم يقيد بقبل أو بعد، ورخص الباقر في العوذة تعلق على

الصبیان مطلقا، و کان ابن سیرین لا یری بأسا بالشيء من القرآن یعلقه الإنسان کبیرا أو صغیرا مطلقا، وھو الذي علیه الناس قدیما و حدیثا في سائر الأمصار۔[132]

"امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مریضوں کے گلے میں بطور تبرک ان تعویذات کے لٹکانے میں کوئی حرج نہیں جن میں اسماء الٰہی ہوں، جبکہ ان کو لٹکانے والا شخص نظرِ بد کا ارادہ نہ کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نزول بلاء کے بعد تعویذ لٹکانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس میں کشادگی اور شفاء کی امید ہے، جیسا کہ وہ دم جن کے متعلق صحیح احادیث وارد ہیں، مثلاً نظر بد وغیرہ۔ رہا نزولِ بیماری سے پہلے تعویذ لٹکانا تو اس میں حرج ہے اور یہ غریب (شاذ) قول ہے۔ سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک قرآن کریم سے لکھا ہوا تعویذ کسی چیز میں محفوظ کرکے لٹکانا جائز ہے لیکن اسے جماع اور رفع حاجت کے وقت اتار لیا جائے، اور اس میں آپ نے نزول تکلیف سے قبل یا بعد کی کوئی قید نہیں لگائی، اور امام باقر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بچوں کے گلے میں تعویذ لٹکانے کو مطلقاً جائز رکھا ہے، اور امام ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس چیز کے لٹکانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے جو قرآن کریم سے لی گئی ہو اور اسے کوئی بڑا یا چھوٹا انسان لٹکائے اور اس طریقہ پر تمام لوگ تمام شہروں میں قدیماً اور حدیثاً (جدید اور قدیم زمانوں سے) چلے آرہے ہیں۔[133]

علامہ ابن قیم بھی مصیبت نازل ہونے سے قبل تعویذ باندھنے کی اباحت کے قائل ہیں۔ وہ متعدد ادعیۂ ماثورہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"یہ دعائیں اور تعویذ جن کی منفعت اور حاجت کا اندازہ معلوم ہو چکا ہے، یہ سب نظر بد کو روکتے بھی ہیں اور نظر بد لگ جانے کے بعد اسے دفع بھی کرتے ہیں۔ ان کا اثر اتنا ہوتا ہے جتنا ان کے

---

[132] (تفسیر روح المعانی، سورۃ الاسراء تحت الآیۃ ۷۳ تا ۱۱۱، ج۸، ص ۱۳۹، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)
[133] (روح المعانی، ج۸، ص ۱۳۹)

پڑھنے والے کا ایمان، اس کی قوتِ نفس، قوتِ توکل اور دل کا ثبات قوی ہوتا ہے۔ یہ دعائیں ہتھیار ہیں اور ہتھیار صرف اس شخص کے لئے ہوتا ہے جو چلانا جانتا ہو"۔[134]

ایک اور مقام پر علامہ لکھتے ہیں:

"جان لو کہ طبعی ادویاتِ الٰہیہ بیماری لگنے کے بعد بھی نفع آور ہوتی ہیں اور بیماری سے پہلے بھی (یعنی بیماری کا روک بھی ہیں) اور اگر بیماری لگ بھی جائے تو اس کا وقوع اتنا مضر نہیں ہوتا اگرچہ وہ کتنا ہی موذی مرض ہو، بخلاف طبی دواؤں کے کہ وہ فقط بیماری لگ جانے کے بعد نفع آور ہوتی ہیں۔ پس دم اور تعویذ صحت کے محافظ بھی ہیں اور مرض کو زائل کرنے والے بھی"۔[135]

حافظ الدنیا امام ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اس نظریہ کے قائل ہیں کہ بیماری سے پہلے دم کرانا یا تعویذ لٹکانا حفظ ماتقدم کا طور پر جائز ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

"ہر حال میں دم اور تعویذ کا استعمال جائز ہے۔ اس پر آپ نے بہت سی احادیث پیش فرمائیں۔ جسے تفصیل منظور ہو وہ فتح الباری کی طرف رجوع فرمائے"۔[136]

الحمد للہ! اہل اسلام کا یہ عمل قرآن و سنت کے مطابق قرار پایا۔

تعویذ لٹکانے کے بارے میں آزاد محققین کا نظریہ

اس سلسلے میں یہاں دکتور وھبۃ الزحیلی کا نظریہ پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ ڈاکٹر وھبہ زُحیلی دورِ حاضر کے نامور اور آزاد محقق ہیں۔ آزاد محقق کا یہ مطلب نہیں کہ نعوذ باللہ غیر مقلد ہیں، کیونکہ

---

134 (زادالمعاد لابن قیم، ج۴، ص ۱۵۶، مدارج السالکین لابن قیم، ج ۱، ص ۸۰)

135 (زادالمعاد ملخصًا، ج۴، ص ۱۶۷، ۱۶۸)

136 (فتح الباری، ج ۱۱، ص ۳۵۲، ۳۵۳)

غیر مقلدین لوگ تو فقہ کو نہیں مانتے اور فقہاء کی تنقیص سے بھی باز نہیں آتے۔ جب کہ وھبہ زُحیلی کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں دوران تحقیق جس فقیہ کا مؤقف مبرہن اور مدلل معلوم ہوتا ہے وہ اسی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے فقہ اسلامی پر ایک ضخیم کتاب تصنیف فرمائی ہے "الفقہ الاسلامی وادلۃ" یہ کتاب تاحال نو(۹) جلدوں میں چھپ چکی ہے اور مطالعہ کی چیز ہے۔ موصوف نے تیس جلدوں میں قرآن کریم کی تفسیر بھی لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے بحث و نظر کے بعد تعویذات کے لٹکانے کو جائز تسلیم کیا ہے اور امام قرطبی کے موقف سے اتفاق کیا ہے، اور ایک اشکال کو دور کرتے ہوئے لکھا ہے:

عن ابن مسعود: إن التمائم والرقى والتّولة من الشرك، قيل: ما التّولة؟ قال: ما تحبّبت به لزوجها، فيجوز أن يريد بما ذكره تعليق غير القرآن أشياء مأخوذة عن العرّافين والكهّان إذ الاستشفاء بالقرآن معلّقا وغير معلّق لا يكون شركا۔[137]

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک تمائم، رقی اور تولہ شرک سے ہیں۔ پوچھا گیا تولہ کیا چیز ہے؟ فرمایا: جس کے ذریعہ خاوند کو تابع کیا جائے۔ پس ممکن ہے کہ اس سے آپ کی مراد اس چیز کا لٹکانا ہو جو قرآن کے سوا ہو اور دست شناسوں اور کاہنوں سے لی گئی ہو، کیونکہ قرآن سے شفاء حاصل کرنا تعویذ لٹکانے سے ہو، یا بغیر تعویذ لٹکائے ہو، شرک نہیں۔

تعویذ لٹکانے کے بارے میں علماء دیوبند کا نظریہ

اس سلسلے میں علماء دیوبند علماء اہلسنت سے مختلف نہیں ہیں۔ وہ تعویذات کی تمام جائز صورتوں کو تسلیم کرتے ہیں اور خود بھی تعویذ لکھتے لکھاتے ہیں۔ تمام اہل مطالعہ دیوبند اس حقیقت سے باخبر

---

[137] (تفسیر منیر، ج ۱۵، ص ۱۵۵)

ہیں۔ اگر کسی دیوبندی شخص کو اس امر سے آگاہی نہ ہو تو یہ اس کے مطالعے کی کمی ہے، تاہم بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں!

علامہ زکریا سہارنپوری لکھتے ہیں:

اختلف فی الاستشفاء بالقرآن بان یقرأ علی المریض او الملدوغ الفاتحة أو یکتب فی ورق ویعلق علیه او فی طست ویغسل ویسقی۔ وعن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وآلہٖ واصحابہٖ وسلم انه کان یعوذ نفسه، وعلی الجواز عمل الناس الیوم وبه وردت الاثار، ولا بأس بأن یشد الجنب والحائض التعاویذ علی العضد اذا کانت ملفوفة۔[138]

قرآن کریم سے حصول شفاء (کے طریقوں) میں اختلاف کیا گیا ہے کہ مریض یاڈسے ہوئے پر سورۃ الفاتحہ پڑھی جائے، یا کسی ورق میں لکھی جائے اور اسے مریض پر لٹکایا جائے یا کسی پلیٹ میں لکھا جائے اور اسے دھو کر پلایا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے منقول ہے کہ آپ خود کو دم فرماتے تھے اور آج تک لوگوں کا عمل جواز پر ہے اور اس میں احادیث وارد ہیں، اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ جنبی اور حیض والی عورت تعویذ کو بازو (وغیرہ) پر باندھے جبکہ تعویذ موم جامہ کیا ہوا ہو۔

یہ مکمل عبارت شامی سے منقول ہے۔[139]

دیوبندی عالم مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

"آیات قرآن پڑھ کر مریض پر دم کرنا اور تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالنا امراض کے لئے بھی شفاء ہوتا ہے، روایات اس پر شاہد ہیں"۔

---

138 (اوجز المسالک، ج ۱۴، ص ۳۷۳)

139 (ردالمحتار، ج ۹، ص ۴۴۳، کتاب الحظر والاباحۃ)

پھر اسی صفحہ پر لکھتے ہیں:

"آیات قرآن کے ذریعہ مریضوں کا علاج کرنا، لکھ کر گلے میں ڈالنا ثابت ہے"۔[140]

تعویذ لٹکانے کے بارے میں غیر مقلدین کا نظریہ

مشہور غیر مقلد عالم وحید الزماں سنن ابی داؤد "باب فی تعلیق التمائم" کی پہلی حدیث (جس میں ہے کہ "رقی"، "تمائم" اور "تولة" شرک ہے) کے تحت لکھتے ہیں:

"منتر اور گنڈا جب شرک ہو گا کہ ان کو بالاستقلال مؤثر جانے لیکن وہ تعویذ جس میں اسماء الٰہی ہوں، اس کا لٹکانا بچوں کو درست ہے"۔[141]

اس مسئلہ میں مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی نے بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ ان کی طویل عربی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔ وہ لکھتے ہیں:

"صحابہ، تابعین اور ان سے بعد کے علماءِ کرام کے مابین قرآن کریم، اسماء الٰہیہ اور صفات الٰہیہ پر مشتمل تعویذات کے لٹکانے کی نسبت اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ جائز ہے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، سیدہ عائشہ، امام ابو جعفر باقر، (سعید بن المسیب، ابن سیرین) اور ایک روایت کے مطابق احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ہیں۔ ان حضرات نے حدیث ابن مسعود کو ایک خاص معنی پر محمول کیا ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ناجائز ہے۔ ان میں حضرت ابن مسعود، ابن عباس، حذیفہ، عقبہ بن عامر، ابن عکیم اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ اور دیگر احادیث ہیں۔

---

[140] (معارف القرآن، ج۵، ص ۵۲۲)

[141] (حاشیہ سنن ابی داؤد، ج۳، ص ۲۰۰)

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہی مؤقف زیادہ صحیح ہے اور اس کے صحیح ہونے کی تین وجوہ ہیں:

ا۔ عام ممانعت، جس کی کوئی تخصیص نہیں۔

۲۔ انسداد ذریعۂ شرک، کیونکہ قرآن یا اسماء الٰہیہ پر مشتمل تعویذات کا جائز قرار دیا جائے تو وہ تعویذ بھی استعمال میں لائے جائیں گے جو جائز نہیں ہیں۔

۳۔ تعویذ لٹکانے والا لامحالہ تعویذ کے ساتھ قضائے حاجت اور استنجاو غیرہ کے لئے جائے گا اور اس میں (کلام الٰہی کی) بے ادبی ہو گی۔

اس کے علاوہ اگر تم غور کرو تو تمہیں اسلام کی غربت نظر آئے گی۔ بالخصوص جب کہ فضیلت والے زمانوں کے بعد یہ چیزیں ظاہر ہو چکی ہیں کہ لوگ قبروں کی تعظیم میں لگ گئے، انہیں سجدہ گاہ بنا دیا اور قلب و چہرے کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور ان سے دعائیں طلب کرنے لگے۔ جب کہ یہ عبادات صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اور نہ عبادت کر اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے تجھے اور نہ ضرر پہنچا سکتا ہے تجھے اور اگر تو ایسا کرے گا تو پھر تیرا شمار ظالموں میں ہو گا اور اگر پہنچائے تجھے اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف تو نہیں دور کرنے والا اسے بجز اس کے، اور اگر وہ ارادہ فرمائے تیرے لئے کسی بھلائی کا تو کوئی رد کرنے والا نہیں اس کے فضل کو۔ یہ اور ان کی مثل دیگر متعدد آیات اس مضمون کی موجود ہیں، نواب صاحب کی عبارت میں یہ بعض علماء کا نظریہ تھا۔

اس کے بعد نواب صاحب لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں غربت اسلام الگ چیز ہے اور اس مسئلے کی نوعیت کو بیان کرنا الگ چیز ہے۔ تیسری توجیہ جو بیان کی گئی نہایت ہی کمزور ہے، کیونکہ ایسی کوئی رکاوٹ نہیں جس کے باعث قضائے حاجت یا

دیگر مواقع پر تعویذ نہ اتارا جاسکے اور پھر دوبارہ نہ پہنا جاسکے۔ راجح قول اس مسئلے میں یہ ہے کہ تعویذ لٹکانے کے عمل کر ترک کرنا اس کے لٹکانے کی بہ نسبت بہر حال افضل ہے۔ جن علماء نے تعویذات کا لٹکانا جائز قرار دیا ہے تو صرف اس لئے کہ ان کا لٹکانا ثابت ہے، نہ یہ کہ ثابت نہیں۔ لیکن تقویٰ کے بہت سے مراتب ہیں، جیسا کہ اخلاص کے کئی مراتب ہیں اور دین میں ہر رتبے کے اوپر ایک اور رتبہ ہے اور ان مراتب کے حاصل کرنے والے لوگ بہت قلیل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں ایسے اعلیٰ متوکلین کی تعداد صرف ستر ہزار بیان کی گئی جو بغیر حساب کتاب جنت میں داخل ہوں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو نہ دم کرتے ہیں نہ کراتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ دم کے جواز پر بہت سی احادیث موجود ہیں۔ سو کامل متقی وہ ہے جو اس چیز کو ترک کر دے جس میں کوئی قباحت نہ ہو، اس خوف سے کہ شاید اس میں کوئی قباحت موجود ہو۔[142]

صاحب تحفۃ الاحوذی علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری بھی غیر مقلد ہیں، انہوں نے نواب صاحب کی مکمل تائید کی ہے۔

مشہور غیر مقلد عالم شمس الحق عظیم آبادی، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

"اس حدیث میں چھوٹے بچوں پر تعویذ لٹکانے کا جواز موجود ہے"۔[143]

کیا علاج توکل کے منافی ہے؟

علامہ صدیق حسن خان کے بیان سے ظاہر ہوا کہ دم درود اور تعویذ وغیرہ کا استعمال صرف اعلیٰ توکل کے خلاف ہے اور یہ اعلیٰ توکل نہایت ہی خاص لوگوں کا مرتبہ ہے۔ جس تک عوام الناس کی

---

[142] (الدین الخالص۔۔۔۔تحفۃالاحوذی، ج٦، ص ٢٣١، ٢٣٢)

[143] (عون المعبود، ج١٠، ص٢٧٥)

رسائی نہایت مشکل ہے۔ جیسا کہ خود نواب صاحب نے بھی اس چیز کا ذکر کیا اور کہا کہ ایسے متوکلین کی تعداد صرف ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) ہے۔ اگر بقول بعض تعویذ لٹکانا شرک ہوتا تو ستر ہزار افراد کے علاوہ باقی سب لوگ مشرک قرار پاتے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یہ ان اولیاء کرام کی فضیلت کا بیان ہے جو اسبابِ دنیا اور ان کے موانع سے اعراض کرتے ہیں اور دنیا سے متعلق کسی چیز کی طرف بھی توجہ نہیں کرتے، اور یہ خواص اولیاء کا درجہ ہے، جس تک اُن کے سوا کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ رہے عوام، تو ان کے لئے دوا اور علاج معالجہ کی اجازت ہے۔ سو جو شخص مصائب پر صبر کرے اور بذریعہ دعا اللہ تعالیٰ سے عافیت کی امید رکھے اس کا شمار خواص اولیاء میں ہے اور جس شخص کو صبر نہیں اس کے لئے دم درود، علاج اور دوا کی اجازت ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنا سارا مال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا تو آپ نے بلا انکار قبول فرمایا۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یقین و صبر کو جانتے تھے، اور دوسرا شخص کبوتری کے انڈے کے برابر سونا لے آیا اور ساتھ ہی کہا کہ اس کے سوا میں اور کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، تو آپ نے وہ سونا اس قدر سختی سے اُس کی طرف پھینکا کہ اسے لگ جاتا تو زخمی کر دیتا"۔[144]

صحیح توکل یہ ہے کہ انسان کچھ کرنے کے باوجود بھروسہ اپنے عمل پر نہ کرے بلکہ اللہ جل شانہ پر کرے۔ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا تو

[144] (شرح الطیبی علی المشکوٰۃ، ج۱۰، ص۳۳۴۳، رقم الحدیث: ۵۲۹۵، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج۹، ص۱۴۹)

آپ نے فرمایا: تیرا اونٹ کہاں ہے؟ اس نے عرض کی: اسے اللہ تعالیٰ کے توکل پر باہر چھوڑ آیا ہوں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

اعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ وفی روایۃ قَيِّدْهَا وَتَوَكَّلْ۔[145]

پہلے اس کو باندھو پھر توکل کرو۔

اسی طرح علاج معالجہ، تعویذ اور دم، درود وغیرہ کرایا جائے مگر انحصار ان پر نہیں اللہ تعالیٰ پر کرنا چاہیئے۔ رہا ان ستر ہزار افراد کا کچھ نہ کرنا تو یہ ان کی جزوی فضیلت ہے۔ ان سے بہتر اور افضل بھی ایسے حضرات ہیں جو سبب اختیار کرنے کے باوجود توکل رب تعالیٰ پر کرتے ہیں۔

امام حکیم ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب لکھا ہے؟ آپ فرماتے ہیں:

علاج معالجہ کے معاملہ میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ طبقۂ اول انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے۔ یہ حضرات اہل یقین اور ارباب مشاہدہ ہیں، یہ علاج معالجہ کرتے کراتے ہیں مگر ان کے قلوب دوا دارو کے خالق جل جلالہ کی طرف مائل ہوتے ہیں جس نے اس دوا میں شفاء رکھ دی ہے۔ پس ان حضرات کا علاج معالجہ تدبیر کے طور پر ہے، وہ اللہ جل جلالہ کی بارگاہ سے شفاء کے منتظر رہتے ہیں اور ان کے دل دوا کی طرف مائل ہونے کے فتنہ سے خالی ہوتے ہیں۔

۲۔ دوسرا طبقہ اہل یقین کا ہے لیکن ان کے دل دوا کی طرف مائل ہونے کے فتنہ سے آزاد نہیں ہوتے، جونہی ان کے دل میں دوا کی افادیت کا خیال گزرتا ہے فوراً بارگاہ الٰہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ پھر علاج معالجہ کے تکلف سے کنارہ کشی کر لیتے ہیں اس خدشہ کے پیش نظر کہ کہیں ان کے دل دنیا کے اسباب پر مطمئن نہ ہو جائیں، پس پہلا طبقۂ اعلیٰ اور اقویٰ ہے۔

---

145 (مجمع الزوائد، ج ۱۰، ص ۲۹۱، الشذرۃ لابن طولون، ج ۱، ص ۸۷)

۳۔ تیسرا طبقہ اہل تخلیط (خلط ملط طبیعت کا شکار) ہے۔ اس طبقہ کے قلوب اسباب کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اسباب سے آزاد نہیں ہو سکتے اور علاج کے محتاج ہوتے ہیں اسے ترک نہیں کر سکتے، اس طبقہ کو طبقۂ عوام کہا جاتا ہے۔[146]

معلوم ہوا کہ اگرچہ کچھ لوگ علاج معالجہ سے آزاد ہوتے ہیں مگر رتبہ میں ان سے اعلیٰ اور اقویٰ ایک اور طبقہ ہے جو علاج معالجہ کے باوجود توکل کے بلند ترین مقام پر فائز ہے۔ مقام غور ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے علاج کیا، کرایا، دم کیا اور کرایا، لہٰذا علاج کرنا اور کرانا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سنت ہے اور افضلیت و بہتری آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سنت میں ہے اور بس۔

تعویذات لٹکانے کے جواز میں مذاہب اربعہ کے علماء کرام، آزاد محققین، علماء دیوبند اور علماء غیر مقلدین کے نظریات پیش کرنے کے بعد اس مسئلہ کی تائید میں ایک حدیث شریف مع بحث و نظر پیش خدمت ہے۔

تعویذ لٹکانے کی اصل میں حدیث

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بچوں کے گلے میں تعویذ لٹکانا

ابو داؤد، مشکوٰۃ اور ترمذی شریف میں ہے:

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا فَزِعَ أَحَدُكُمْ فِي النَّوْمِ فَلْيَقُلْ: أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهِ وَعِقَابِهِ وَشَرِّ عِبَادِهِ وَمِنْ هَمَزَاتِ

---

146 (نوادر الاصول، ج ۱، ص ۲٦۷)

الشَّیَاطِینِ وَأَنْ یَحْضُرُونَ فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو یُعَلِّمُهَا مَنْ بَلَغَ مِنْ وَلَدِهِ وَمَنْ لَمْ یَبْلُغْ مِنْهُمْ كَتَبَهَا فِي صَكٍّ ثُمَّ عَلَّقَهَا فِي عُنُقِهِ۔ [147]

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ، عَنْ أَبِیهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُعَلِّمُنَا كَلِمَاتٍ نَقُولُهُنَّ عِنْدَ النَّوْمِ مِنَ الْفَزَعِ: بِسْمِ اللهِ، أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ، مِنْ غَضَبِهِ وَعِقَابِهِ، وَشَرِّ عِبَادِهِ، وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّیَاطِینِ، وَأَنْ یَحْضُرُونِ قَالَ: فَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو: یُعَلِّمُهَا مَنْ بَلَغَ مِنْ وَلَدِهِ أَنْ یَقُولَهَا عِنْدَ نَوْمِهِ، وَمَنْ كَانَ مِنْهُمْ صَغِیرًا لَا یَعْقِلُ أَنْ یَحْفَظَهَا كَتَبَهَا لَهُ فَعَلَّقَهَا فِي عُنُقِهِ۔ [148]

عمرو بن شعیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ہمیں چند کلمات سکھائے، جنہیں ہم نیند میں گھبراہٹ سے بچنے کے لئے سوتے وقت پڑھا کرتے تھے۔ وہ کلمات یہ ہیں: "بِسْمِ اللهِ ، أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ ، مِنْ غَضَبِهِ وَعِقَابِهِ ، وَشَرِّ عِبَادِهِ ، وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّیَاطِینِ ، وَأَنْ یَحْضُرُونِ" عمرو بن شعیب کہتے ہیں: عبد اللہ بن عمرو یہ کلمات اپنی بالغ اولاد کو سکھاتے تھے تاکہ وہ سوتے وقت پڑھا کریں اور چھوٹی اولاد جنہیں یہ کلمات یاد نہیں ہو سکتے تھے، ان کے لئے لکھ کر ان کے گلے میں لٹکاتے تھے۔

امام احمد کے علاوہ یہ حدیث امام بخاری، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام ابن ابی شیبہ، امام حاکم، امام بیہقی، امام ابن السنی، امام ابو الولید الباجی، امام بغوی، امام تبریزی، امام نووی، ابن تیمیہ، امام ذہبی، امام منذری، امام موفق الدین بغدادی، حافظ ابن کثیر، علامہ ابن قیم، حافظ ابن حجر عسقلانی، امام عینی،

---

147 (جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب القول عند الفزع من النوم، ج۵، ص ۵۴۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

148 (مسند احمد، ج۲، ص ۶۳۵، رقم الحدیث: ۶۶۹۶)

امام رازی، امام ابن عادل الحنبلی، محمد بن مفلح المقدسی، محمد بن عبد الوہاب نجدی، قاضی شوکانی، محمد یوسف الکاندہلوی اور دکتور وھبۃ الزحیلی نے بھی ذکر کی ہے۔[149]

اس حدیث پر اشکالات اور ان کے جوابات

بعض لوگوں نے کہا کہ اس حدیث میں چند علتیں ہیں۔ وہ پہلی علت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ پورے سرمایۂ حدیث میں اپنے طرز کی منفرد روایت ہے اور صحیح ہونا تو دور رہا یہ حسن روایت بھی نہیں ہے، امام ترمذی جو تصحیح روایت کے بارے میں بہت ہی فراخ دل واقع ہوئے ہیں اس روایت کو حسن بھی شمار نہیں کرتے بلکہ حسن غریب کہتے ہیں"۔[150]

حدیث مذکور کے بارے میں محدثین کی آراء

بعض لوگوں کے برعکس محدثین کی آراء ملاحظہ ہوں۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث پر سکوت اختیار فرمایاہے اور جس حدیث پر آپ سکوت فرمائیں وہ ضعیف یا موضوع نہیں ہوتی بلکہ صحیح یا حسن

---

149 (خلق افعال العباد للبخاری، ص ۲۸۹، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۳۸۹۳، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۵۲۸، مصنف ابن ابی شیبۃ، ج۵، ص ۴۳، رقم الحدیث: ۲۳۵۳۷، المستدرک للحاکم، ج ا، ص ۵۴۸، طبع قدیم وطبع جدید ص ۲۴۵، رقم الحدیث: ۲۰۵۴، الآداب للبیھقی، ص ۴۴۸، رقم الحدیث: ۹۹۳، عمل الیوم واللیلۃ، ص ۲۶۱، سنن الصالحین وسنن العابدین، ج ا، ص ۷۰، مصابیح السنۃ، ج ۲، ص ۲۱۶، مشکوٰۃ، رقم الحدیث: ۲۴۷۷، الاذکار، ص ۱۲۹، رقم الحدیث: ۲۵۹ نیز ص، ۱۵۴، رقم الحدیث: ۳۱۶، الکلم الطیب، ص ۸۴، الطب النبوی للذھبی، ص ۲۹۰، الترغیب والترھیب، ج ۲، ص ۴۵۳، الطب من الکتاب والسنۃ، ص ۲۳۱، ۲۳۲، جامع المسانید والسنن، ج ۲۶، ص ۱۹۱، تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۲۶۵، زاد المعاد، ج ۴ ص ۲۱۲، الطب النبوی لابن القیم، ص ۱۶۴، الوابل الصیب لابن القیم، ص ۲۰۷، مختصر الترغیب والترھیب لابن حجر عسقلانی، ص ۱۹۹، ۲۰۰، بذل الماعون فی فضل الطاعون لابن حجر عسقلانی، ص ۱۶۹، نتائج الافکار للعسقلانی، ج ۳، ص ۱۱۷، ۱۱۸، العلم الھیب لعینی، ص ۱۹۷، تفسیر کبیر، ج ا، ص ۶۹، اللباب فی علوم الکتاب، ج ا، ص ۱۰۸، مصائب الانسان من مکائد الشیطان، ص ۲۳، مختصر زاد المعاد، ص ۲۳۳، فتح القدیر، ج ۳، ص ۵۸۸، حیاۃ الصحابۃ، ج ۴، ص ۱۳۰، التفسیر المنیر، ج ۱۸، ص ۹۷)

150 (تعویذ گنڈا شرک ھے، ص ۵)

ہوتی ہے۔ امام حاکم یہ حدیث لکھ کر فرماتے ہیں: **"ھذا حدیث صحیح الاسناد متصل فی موضع الخلاف"** (یہ حدیث سند کے لحاظ سے صحیح ہے اور اختلاف کے مقام پر متصل ہے)۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ مسند احمد میں تحقیق و تخریج کرتے ہوئے شیخ احمد شاکر نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ الترغیب والترھیب پر تحقیق کرنے والے تین حضرات محی الدین دیب مستو، سمیر احمد العطار اور یوسف علی بدیوی نے بھی اسے صحیح قرار دیا۔ "جامع المسانید" میں تحقیق کرتے ہوئے دکتور عبد المعطی امین قلعجی نے کہا: **"اخرجہ الامام احمد بالمسند و اسنادہ صحیح"** اس کو امام احمد نے مسند میں ذکر کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ امام نووی نے اس کو حسن فرمایا ہے۔ زاد المعاد میں تحقیق و تخریج کرتے ہوئے شعیب الارنؤوط اور عبد القادر الارنؤوط نے کہا اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ اس تمام تحقیق کو دیکھنے کے لئے وہی حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں جو اس حدیث کی تخریج میں دیئے گئے۔

"مدرج جملہ" کا شبہ اور اس کا جواب

بعض زائغین (کج فہموں) نے لکھا ہے:

"دوسری علت اس روایت میں یہ ہے کہ: عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق یہ جملہ کہ وہ اس دعا کو نابالغ بچوں کے گلے میں لکھ کر لٹکا دیا کرتے تھے۔ حدیث کے الفاظ نہیں بلکہ راوی کی طرف سے یہ ایک "مدرج جملہ" ہے"۔[151]

بعض زائغین نے بغیر ثبوت کہہ دیا ہے کہ یہ ایک "مدرج جملہ" ہے، حالانکہ کسی حدیث کو "مدرج" ثابت کرنے کے لئے محدثین نے کچھ ضوابط مقرر فرمائے ہیں، کیپٹن عثمانی کو چاہیئے تھا کہ وہ

---

[151] (تعویذ گنڈا شرک ھے، ص ۵)

"مدرج" جملہ کا رد کسی ضابطہ کے تحت کرتے۔ مشہور محدث، خاتمۃ الحفاظ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ "حدیث مدرج" کے قواعد و ضوابط بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

ویدرک ذلک بورودہ منفصلا في روایۃ أخری أو بالتنصیص علی ذلک من الراوي أو بعض الأئمۃ المطلعین۔[152]

ادراج کا علم اس طرح ہوتا ہے کہ مدرج حصہ کسی دوسری روایت میں جدا آیا ہو، یا راوی صراحت سے بیان کرے کہ یہ مدرج ہے، یا اطلاع پانے والے ائمہ محدثین میں سے کوئی اس کی وضاحت کرے۔

کیپٹن عثمانی نے اگر کسی ضابطہ کے تحت بات کی ہوتی تو اس کا جواب بھی دیا جاتا، پھر بھی ہم اپنے قارئین کے سامنے اصول حدیث کا ایک قاعدہ پیش کر دیتے ہیں تاکہ ان کے علم میں رہے کہ ہر ایرے غیرے کے کہنے سے کوئی حدیث "مدرج" نہیں ہو سکتی۔ "لکل فن رجال" (ہر فن کے لئے مخصوص ماہرین ہوتے ہیں) کسی حدیث کو مدرج ثابت کرنے کے لئے خود راوی کا اقرار یا ائمہ محدثین کی شہادت ضروری ہوتی ہے۔ کیپٹن عثمانی کس باغ کی مولی ہے کہ اس کے کہنے سے کوئی حدیث "مدرج" قرار پائے؟

ابن عمرو کے عمل اور ان کی روایت میں تضاد کا دعویٰ اور اس کا رد

بعض زائغین نے اس حدیث کی ایک اور علت یہ بیان کی ہے:

"تیسری علت: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما جن کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ اپنے کم سن بچوں کے گلے میں دعا کا تعویذ لٹکاتے تھے خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے تعویذ لٹکانے کی برائی میں صحیح حدیث روایت کرتے ہیں، یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک

152 (تدریب الراوی، ج ۱، ص ۳۱۵)

صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی چیز کی برائی کی حدیث بھی روایت کرے اور دوسری طرف اس چیز میں بھی مبتلا ہو۔

روایت یوں ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَا أُبَالِي مَا أَتَيْتُ إِنْ أَنَا شَرِبْتُ تِرْيَاقًا أَوْ تَعَلَّقْتُ تَمِيمَةً أَوْ قُلْتُ الشِّعْرَ مِنْ قِبَلِ نَفْسِي۔[153]

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اگر میں کہیں یہ تین باتیں کروں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اب مجھے حق وناحق کی کوئی پرواہ نہیں۔

وہ تین باتیں یہ ہیں:

۱۔ تریاق استعمال کروں (اس میں شراب اور سانپوں کا گوشت ہوتا ہے)

۲۔ تعویذ لٹکاؤں

۳۔ شاعری کروں"۔[154]

بعض زائغین کا اس حدیث سے تمیمۃ کی ممانعت پر استدلال کرنا پرلے درجے کی بدترین خیانت ہے، کیونکہ محدثین نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ امام ذہبی نے کہا یہ حدیث منکر ہے۔[155]

البانی نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔[156]

---

[153] (رواہ ابوداؤد، ص ۵۴۰، مشکوۃ المصابیح، ص ۳۸۹)

[154] (تعویذ گنڈا شرک ھے، ص ۵، ٦)

[155] (فیض القدیر بشرح الجامع الصغیر، ج ۱۰، ص ٦۲۷۵)

[156] (ضعیف الجامع، رقم الحدیث: ۴۹۷۷، الضعیفۃ، رقم الحدیث: ۳۳۷۴)

ہم نے تعویذات لٹکانے کے ثبوت میں جو حدیث درج کی ہے اسے تو محدثین نے حسن، حسن سے اعلیٰ اور صحیح بھی کہا ہے، اس کے باوجود کیپٹن عثمانی نے اس کے خلاف اودھم مچا دیا اور جس حدیث کو اس نے تعویذات لٹکانے کے خلاف نقل کیا ہے اسے محدثین نے ضعیف ہی نہیں بلکہ منکر تک کہا ہے مگر کیپٹن عثمانی نے اس سے خرگوش کی طرح آنکھیں موندھ لی ہیں۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ "میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھو تھو" کیپٹن عثمانی جیسا متشدد انسان ایک ضعیف حدیث سے استدلال کرے نہایت ہی حیران کن بات ہے۔ بنابریں لازم نہیں ہے کہ ایسی ضعیف حدیث سے کیے ہوئے اعتراض کا جواب دیا جائے لیکن چونکہ محدثین کا اصول ہے کہ ضعیف حدیث فضائل، اعمال، ترغیب اور ترھیب میں کھپ جاتی ہے، اس لئے بعض زائغین کے لغو اعتراض سے قطع نظر یہ احقر صرف اپنے قارئین کرام کی تسلی کے لئے اس حدیث کی تشریح پیش کر رہا ہے۔

غور کیا جائے تو ان دونوں حدیثوں میں قطعًا کوئی تعارض نہیں ہے۔ جس حدیث پر حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل ہے وہ ذکر الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کے الفاظ پر مشتمل ہے، اور جس حدیث کو وہ یہاں روایت کر رہے ہیں اس میں تمیمۃ کا ذکر ہے، اور گزشتہ صفحات میں امام قرطبی، ملا علی قاری، امام مناوی وغیرھم کی عبارات میں لفظ "تميمة" کے معنی پر جو تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے اسے اور جو خود اسی حدیث کی تشریح میں محدثین نے فرمایا ہے اسے سامنے رکھا جائے تو کوئی اشکال وارد ہی نہیں ہوتا۔

چنانچہ امام ابو سلیمان حمد بن محمد الخطابی البستی رحمہ اللہ تعالیٰ اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

والتميمة يقال إنها خرزة كانوا يتعلقونها يرون أنها تدفع عنهم الآفات. واعتقاد هذا الرأي جهل وضلال إذ لا مانع ولا دافع غير الله سبحانه ولا يدخل في هذا التعوذ بالقرآن

والتبرک والاستشفاء به لأنه کلام الله سبحانه والاستعاذة به ترجع إلى الاستعاذة بالله سبحانه۔[157]

تمیمۃ:سیپیوں(وغیرہ)کو کہا جاتا ہے مشرک لوگ ان چیزوں کو اس اعتقاد سے لٹکاتے تھے کہ یہ چیزیں اُن سے آفات کو ٹال دیں گی اور یہ عقیدہ جہالت اور گمراہی ہے،کیونکہ بیماری کو روکنے اور ٹالنے والا اللہ جل جلالہ کے سوا اور کوئی نہیں ہے،اور اس میں وہ تعویذ داخل نہیں ہے جو قرآن مجید سے برکت اور شفاء کے طور پر لیا گیا ہو،اس لئے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اس کی پناہ میں آنا خود اللہ جل جلالہ کی پناہ کی طرف لوٹنا ہے۔

امام طیبی لکھتے ہیں:

"یہاں تمائم سے مراد زمانۂ جاہلیت کی سیپیاں اور دم ہیں۔پس تعویذات کی وہ قسم جو اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کے کلمات کے ساتھ مختص ہو وہ اس حکم میں داخل نہیں ہے بلکہ ایسے تعویذات مستحب ہیں اور ان سے برکت کی امید ہے "عرف ذلک من أصل السنة" اور ان کی اصل سنت سے معلوم ہے"۔[158]

ملا علی قاری نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔[159]

---

[157] (معالم السنن، ج۴، ص ۲۰۴، ۲۰۵)
[158] (شرح الطیبی علی المشکوٰۃ، ج۹، ص ۲۹۶۹)
[159] (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج۸، ص ۳۲۲)

شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلد نے امام خطابی کی پوری عبارت نقل کی اور وہ امام سندھی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قَالَ السِّنْدِيُّ: الْمُرَاد تَمَائِم الْجَاهِلِيَّة مِثْل الْخَرَزَات وَأَظْفَار السِّبَاع وَعِظَامهَا، وَأَمَّا مَا يَكُون بِالْقُرْآنِ وَالْأَسْمَاء الْإِلَهِيَّة فَهُوَ خَارِج عَنْ هَذَا الْحُكْم بَلْ هُوَ جَائِز۔ [160]

امام سندھی نے فرمایا: اس حدیث میں زمانۂ جاہلیت کے تمائم مراد ہیں، مثلاً موتی (سپیاں) درندوں کے ناخن اور ان کی ہڈیاں۔ رہے وہ تعویذ جو قرآن کریم اور اسمائے الٰہیہ سے ہوں وہ اس حکم سے خارج ہیں بلکہ وہ جائز ہیں۔

معلوم ہوا کہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، اگر تعارض ہوتا تو حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہرگز تعویذ لٹکانے پر عمل نہ کرتے، کیونکہ حدیث کا راوی حدیث کی مراد کو دوسروں کی بہ نسبت بہتر سمجھتا ہے۔

علامہ عبد الرحمٰن مبارکپوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

وَقَدْ تَقَرَّرَ أَنَّ رَاوِيَ الْحَدِيثِ أَدْرَى بِمُرَادِ الْحَدِيثِ مِنْ غَيْرِهِ۔ [161]

اور بے شک یہ بات طے شدہ ہے کہ حدیث کا راوی اپنی حدیث کی مراد کو دوسروں سے بہتر سمجھتا ہے۔

---

[160] (عون المعبود، ج۱۰، ص۲۵۰)

[161] (تحفۃ الاحوذی، ج۲، ص۲۵۱)

محمد بن اسحاق بن یسار اور عمرو بن شعیب پر اعتراض

بعض زائغین کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے، وہ لکھتے ہیں:

"چوتھی علت اس روایت میں یہ ہے کہ اس کے دو راوی محمد بن اسحاق اور عمرو بن شعیب ایسے راوی ہیں جن پر ائمہ حدیث نے شدید جرح کی ہے۔ محمد بن اسحاق بن یسار، امام مالک فرماتے ہیں: "دجال من الدجاجلة" (دجالوں میں سے ایک دجال ہے)[162] سلیمان تیمی کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔ ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔ یحییٰ قطان کہتے ہیں کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب (بہت بڑا جھوٹا) ہے۔[163] وھیب بن خالد اس کو کاذب کہتے ہیں۔ جریر بن عبدالحمید کا بیان ہے کہ میں اس زمانہ تک زندہ رہوں گا جب لوگ محمد بن اسحاق سے حدیث کی سماعت کریں گے۔[164]

اب ذرا ایسے کاذب راوی کے بارے میں ائمہ حدیث کا نظریہ بھی ملاحظہ فرمایئے:

وإذَا قالوا: متْرُوكُ الحديثِ، أوْ واهيهِ، أوْ كذَّابٌ، فهو ساقِطٌ لا يُكتب حديثه۔[165]

جب محدثین کسی راوی کے بارے میں یہ کہیں کہ وہ متروک ہے یا واھی ہے یا کذاب ہے، ایسا راوی ساقط الاعتبار ہوتا ہے۔ اس کی روایت لکھی بھی نہیں جاسکتی"۔[166]

---

162 (تہذیب، ج۹، ص ۴۱، میزان، ج۳، ص ۲۱)

163 (میزان الاعتدال، ج۳، ص ۲۱)

164 (تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۳۰۶)

165 (تقریب النواوی، ص ۲۳۳)

166 (تعویذ گنڈا شرک ھے، از کیپٹن عثمانی، ص ۶)

اس اعتراض کا مفصل جواب

اس حدیث کے راویوں پر ایسی شدید جرح اور سخت تنقید ’’جسے حوالہ جات سے مدلل بنانے کی ناکام کوشش بھی کی گئی ہے‘‘ کو پڑھ کر دفعتًا انسان پریشانی کا شکار ضرور ہوتا ہے۔ خود سوچیئے کہ کوئی عام پڑھا لکھا شخص، یا نوخیز علم دین، یا ایسا عالم دین جس سے کتب اسماء الرجال دور ہوں، اگر وہ اس اعتراض کو پڑھ لے تو کیا وہ یہ سوچنے پر مجبور نہیں ہو گا کہ اہل سنت کے لوگ کس قدر پست ذہن اور ضعیف الاعتقاد ہیں کہ یہ ایسی روایات پر بھی عمل کرنے سے گریز نہیں کرتے جن کے راویوں کی یہ حالت ہے کہ ان کی حدیث لکھے جانے کے قابل ہی نہیں۔ لیکن اس جرح سے وہ شخص دھوکے میں نہیں آسکتا جس کو اصل کتب کی طرف مراجعت میسر ہو کیونکہ اس شدید جرح کو اگر حوالہ جات سے مزین بنانے کی کوشش کی گئی ہے مگر یہ صرف ملمع سازی ہے، حقانیہ سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہیں۔ یقین فرمائیں کہ یہ پوری کی پوری عبارت خیانت پر مبنی ہے۔ اگر آپ اس خشک مضمون کو پڑھنے کی زحمت فرمالیں تو آئیں تھوڑی دیر کے لئے ہمارا ساتھ دیں تاکہ اصل کتب کی طرف رجوع کیا جائے۔

محمد بن اسحٰق بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دجال کہنے کا سبب

سب سے پہلے تو محمد بن اسحاق کو کذاب قرار دینے کا سبب تلاش کرتے ہیں پھر آگے چلیں گے۔

امام ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

’’سلیمان بن داؤد کہتے ہیں کہ مجھے یحییٰ بن سعید القطان نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن اسحاق کذاب ہے۔ سلیمان کہتے ہیں میں نے کہا: اس کے جھوٹا ہونے کی کوئی وجہ بھی ہے؟ انہوں نے کہا کہ مجھے وہیب بن خالد نے کہا کہ محمد بن اسحاق کذاب ہے، وھیب سے وجہ دریافت کی گئی تو انہوں

نے کہا کہ مجھے امام مالک نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے، امام مالک سے وجہ معلوم کی گئی تو انہوں نے فرمایا: مجھے ہشام بن عروہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے، ہشام بن عروہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے وجہ بیان کی کہ محمد بن اسحاق میری زوجہ فاطمہ بنت المنذر کے حوالہ سے ایک حدیث بیان کرتا ہے، جبکہ فاطمہ بنت المنذر سے جب میری شادی ہوئی اس وقت اس کی عمر نو سال تھی اور اسے کسی مرد نے نہیں دیکھا حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جا ملی۔[167]

مذکورہ بالا حدیث پر اعتراض کرنے والوں کو اگر امام ابن عدی کی "الکامل فی ضعفاء الرجال" کا یہ حوالہ مل جاتا تو اندازہ فرمائیں کہ وہ کس قدر خوش ہوتے؟ کیونکہ انہیں درکار ہی صرف ایسے حوالے ہیں جنہیں سیاق وسباق سے ہٹا کر جاہلوں کی بزم میں پیش کر کے کسی کی پگڑی اچھالی جا سکے۔ لیکن دونوں آنکھوں سے دیکھنے والے لوگ صرف ایک پہلو سے نہیں بلکہ دونوں پہلوؤں سے دیکھا کرتے ہیں۔ کتب اسماء الرجال میں جہاں کسی شخص کے تاریک پہلو لکھے ہوتے ہیں وہاں روشن پہلو بھی مرقوم ہوتے ہیں۔ اسی (الکامل لابن عدی) میں آگے چل کر حضرت محمد بن اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عادل اور صادق ہونے کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے اور امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متذکرہ بالا قول اور محمد بن اسحاق بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ان کے غصہ کی توجیہہ بھی مذکور ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔[168]

---

167 (الکامل لابن عدی، ج۷، ص ۲۵۵)

168 (الکامل لابن عدی، ج۷، ص ۲۰۹)

محمد بن اسحاق کے متعلق ابن جوزی وغیرہ کا فیصلہ

بے رحمی نقاد حدیث علامہ ابن جوزی مذکورہ بالا اعتراض پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے: ہو سکتا ہے کہ محمد بن اسحاق نے فاطمہ بنت المنذر سے حدیث سماعت کی ہو، اور اس کے خاوند (ہشام بن عروہ) کو اس کی خبر نہ ہو، اور امام ابن المدینی نے فرمایا: ابن اسحاق کی حدیث میرے نزدیک صحیح ہے، ان سے کہا گیا کہ امام مالک نے جو ان پر اعتراض کیا اس کا کیا کروگے؟ اور انہوں نے فرمایا امام مالک نہ ان کی مجلس میں بیٹھے ہیں اور نہ انہیں پہچانتے ہیں۔ ابن المدینی سے کہا گیا ہشام بن عروہ کا جو اس پر اعتراض ہے اس کے بارے میں کیا کہو گے؟ انہوں نے فرمایا ہشام کا قول حجت نہیں ممکن ہے وہ اس کی عورت سے بچپن میں حدیث سن چکے ہوں۔ امام ابو زرعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں محمد بن اسحاق ایسا شخص ہے جس سے حدیث حاصل کرنے میں اکابر اہل علم کا اتفاق ہے اور بے شک محدثین نے اسے آزمایا تو اس میں صدق اور خیر کو پایا۔ ابن شہاب نے اس کی مدح بیان فرمائی ہے، اور میں نے حضرت دحیم سے امام مالک کا اعتراض ذکر کیا تو انہوں نے کہا وہ حدیث کی بناء پر نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ محمد بن اسحاق پر منکر تقدیر ہونے کی تہمت ہے اور محمد بن عبد اللہ بن نمیر کہتے ہیں محمد بن اسحاق پر قدری ہونے کی تہمت ہے، حالانکہ وہ اس تہمت سے بہت دور ہے۔ حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ اس نے محمد بن اسحاق پر کوئی تہمت لگائی ہو"۔[169]

یہ مکمل گفتگو اس (تہذیب التہذیب) میں موجود ہے، جس کا بعض زائغین نے حوالہ دیا ہے۔

نیز اسی (تہذیب التہذیب) میں ہے کہ صالح بن احمد کہتے ہیں: علی ابن المدینی فرماتے ہیں کہ مجھے ابن

---

[169] (المنتظم لابن الجوزی، ج۸، ص ۱۰۸)

عیینہ نے فرمایا کہ میں ستر سال سے بھی زائد عرصہ تک محمد بن اسحاق کی مجلس میں بیٹھا ہوں۔ اہل مدینہ میں سے کسی شخص نے بھی اس پر تہمت نہیں لگائی اور نہ اس پر اعتراض کیا۔[170]

اسی تہذیب میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا قول پر یوں تبصرہ کیا گیا ہے:

"ابراہیم بن حمزہ کہتے ہیں کہ ابراہیم بن سعد کے پاس محمد بن اسحاق کے حوالے سے سترہ ہزار احادیث مغازی کے علاوہ صرف احکام میں موجود تھیں، اور ابراہیم بن سعد وہ شخص ہے جس کے پاس تمام اہل مدینہ سے زیادہ احادیث تھیں۔ سو اگر امام مالک کا اس حوالے سے ابن اسحاق سے حدیث کا حصول درست مانا جائے تو یہی کہا جائے گا کہ بسا اوقات انسان کلام کرتے وقت اپنے کسی ساتھی کو کسی خاص بات میں تو موردِ الزام ٹھہراتا ہے لیکن تمام امور میں اس پر تہمت نہیں لگاتا۔ ابراہیم بن المنذر کہتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن فلیح نے بیان کیا کہ انہیں امام مالک نے قریش کے دو شخصوں سے منع فرمایا، حالانکہ ان دونوں سے مؤطا امام مالک میں اکثر احادیث موجود ہیں، اور ان دونوں سے امام مالک دلیل لاتے ہیں۔ ابن المنذر فرماتے ہیں: اکثر لوگوں نے بعض لوگوں کی طعنہ بازی سے نجات نہیں پائی، جیسا کہ شعبی پر ابراہیم کا طعن اور شعبی کا عکرمہ پر، لیکن اہل علم حضرات ایسی باتوں پر توجہ نہیں کیا کرتے، اِلَّا یہ کہ کوئی دلیل موجود ہو، اور نہ ہی اس قسم کی طعنہ بازی سے کسی کے عادل ہونے میں فرق آتا ہے، اِلَّا یہ کہ کوئی اور دلیل اور حجت اس کے عادل ہونے کے خلاف موجود ہو۔ شعبہ کہتے ہیں: محمد بن اسحاق حدیث کے معاملہ میں امیر المؤمنین ہیں کیونکہ ان کا حافظہ قوی ہے اور وہ کہتے ہیں: مجھ سے علی بن عبد اللہ نے بیان کیا کہ میں نے محمد بن اسحاق کی کتب کا

170 (تہذیب التہذیب، ج ۹، ص ۳۴)

مطالعہ کیا تو مجھے صرف دو حدیثیں ایسی ملیں جن میں مجھے شک گزرا اور ممکن ہے کہ وہ بھی صحیح ہوں۔[171]

امام مزی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔[172]

محمد بن اسحاق کی مدح میں اقوال

حضرت محمد بن اسحاق بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذمت میں بعض زائغین کا یک طرفہ کلام آپ نے پڑھا، آیئے اب ان کی شان میں معتمد اکابرین کے چند مدحیہ کلمات ملاحظہ فرمائیں۔

امام مزی اور امام ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

۱۔ حضرت علی بن المدینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی حدیث کا دارومدار چھ حضرات پر ہے۔ پھر آپ نے ان کے نام ذکر کیے۔ پھر فرمایا: اور ان چھ کا علم بارہ حضرات کے پاس ہے، ان بارہ میں ایک حضرت محمد بن اسحاق بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

۲۔ ابو بکر الھذلی کہتے ہیں: میں نے امام زھری رحمہ اللہ تعالیٰ کو فرماتے ہوئے سنا: مدینہ معظمہ میں اس وقت تک علم کثرت سے رہے گا جب تک اس میں محمد بن اسحاق موجود ہیں۔

(امام زھری رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی منقول ہے۔)[173]

---

171 (تہذیب التہذیب، ج۹، ص ۳۵)

172 (تہذیب الکمال، ج۱۶، ص۷۶،۷۷)

173 (الکامل لابن عدی، ج۷، ص ۲۵۹)

۳۔ احمد بن خیثمہ کہتے ہیں: ”میں نے یحییٰ بن معین سے محمد بن اسحاق کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: عاصم بن عمر بن قتادۃ فرمایا کرتے تھے: لوگوں میں علم ہمیشہ رہے گا جب تک کہ ان میں محمد بن اسحاق موجود رہیں گے“ یہ دونوں قول امام ابن شاہین نے بھی ذکر کئے ہیں۔[174]

۴۔ حضرت شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: محمد بن اسحاق امیر المحدثین ہیں۔ یونس بن بکیر کہتے ہیں: پوچھا گیا اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا: اس کی وجہ اُن کی قوت حافظہ ہے۔[175]

محمد بن اسحاق کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے

حافظ الدنیا امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا شمار معتدل علماء اسلام میں ہوتا ہے، علم اسماء الرجال پر آپ کی باریک بینی محتاج بیان نہیں ہے۔ بعض زائغین نے آپ کی مشہور ترین تصنیف ”تہذیب التہذیب“ سے محمد بن اسحاق بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق صرف وہ جملے اُچک لئے جو جرح پر مبنی ہیں اور گویا انہیں تعدیل پر مبنی اقوال نظر ہی نہیں آئے، اور نہ ہی امام عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا حسب ذیل تجزیہ انہیں نظر آیا۔

امام عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”میں کہتا ہوں امام نسائی نے محمد بن اسحاق کو طبقہ خامسہ میں ذکر کیا ہے اور ابن المدینی نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ میرے نزدیک اس کی حدیث غیر معتبر نہیں، سوائے اس کے کہ وہ اہل کتاب سے ہو، اور سلیمان تیمی، یحییٰ قطان اور وھیب بن خالد نے اس کی تکذیب کی ہے، وھیب اور قطان نے تو اس مسئلے میں ہشام بن عروۃ اور مالک بن انس کی تقلید کی ہے۔ رہا سلیمان تیمی: تو مجھے یہ سمجھ نہیں آئی کہ اس نے کس وجہ سے ان پر اعتراض کیا؟ ظاہر یہ ہے کہ یہ اعتراض حدیث کے سوا

---

174 (تاریخ اسماء الثقات، ص ۲۸۰، ۲۸۱)

175 (تہذیب الکمال، ج ۱۶، ص ۷۴، ۸۱ ملخصًا، تہذیب التہذیب، ج ۹، ص ۳۴، ۳۷)

کسی اور معاملہ میں ہے، کیونکہ سلیمان اہل جرح و تعدیل میں سے نہیں ہے، اور امام حبان نے کتاب الثقات میں فرمایا ہے کہ محمد بن اسحاق میں صرف دو شخصوں نے کلام کیا ہے، ہشام اور امام مالک۔ ہشام کے قول میں تو اتنا وزن نہیں ہے کہ جس سے کسی انسان کا صدق مجروح ہو، کیونکہ بہت سے تابعین نے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث سماعت کی ہے، بغیر اس کے کہ انہوں نے آپ کی طرف دیکھا ہو۔ سو اسی طرح (ہو سکتا ہے کہ) محمد بن اسحاق نے فاطمہ بنت المنذر سے حدیث سنی ہو درآنحالیکہ حجاب ان کے مابین موجود ہو۔ رہا امام مالک کا قول تو وہ ان سے صرف ایک مرتبہ صادر ہوا، اس کے بعد آپ کا نظریہ محمد بن اسحاق کے بارے میں پسندیدہ تھا، اور امام ابن مبارک سے محمد بن اسحاق کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: "انا وجدناہ صدوقا" (ہم نے اسے سچا پایا) یہ جملہ آپ نے تین مرتبہ ادا فرمایا۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں: مدینہ منورہ میں علم اور حدیث میں محمد بن اسحاق کے پائے کا کوئی شخص نہیں تھا۔ وہ سیاق حدیث میں تمام لوگوں سے احسن تھے۔ وہ اپنے سے اعلیٰ، اپنے ہم مثل اور دیگر لوگوں سے بھی حدیث لکھ لیتے تھے۔ جب انہیں کہیں کذب کا شائبہ محسوس ہوتا تو وہاں سے حدیث نہیں لیتے تھے۔ لہٰذا تجھے ان کے صدق کے لئے یہی دلیل کافی ہے۔ محمد بن نصر الفراء بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ بن یحییٰ کی مجلس میں محمد بن اسحاق کا تذکرہ ہوا تو انہوں نے فرمایا: وہ ثقہ شخص ہے۔ ابن البرقی فرماتے ہیں: میں نے محدثین کو نہیں دیکھا کہ انہوں نے محمد بن اسحاق کے حُسنِ حدیث، حُسنِ روایت اور اس کے ثقہ ہونے میں اختلاف کیا ہو۔ ابو حاتم رازی نے کہا اس کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ امام ابو زرعہ نے فرمایا وہ صادق شخص ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں: محمد بن یحییٰ نے کہا اس کی حدیث حسن ہے۔ امام ابو شنجی نے فرمایا وہ ہمارے نزدیک ثقہ ہے، ثقہ ہے۔ امام ذہبی نے ہشام بن عروۃ کے قول پر ہشام کا تعاقب کیا ہے اور فرمایا کہ ہشام کا یہ کہنا کہ فاطمہ بنت

المنذر سے جب اس کا نکاح ہوا تو اس وقت فاطمہ کی عمر نو سال تھی، سراسر غلط ہے، کیونکہ فاطمہ ہشام سے تیرہ برس بڑی ہے۔ لہٰذا ابن اسحاق کا فاطمہ زوجۂ ہشام سے حدیث سننا یقینی ہے"۔[176]

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: "ممکن ہے کہ محمد بن اسحاق نے ہشام کی اہلیہ سے مسجد میں جاتے یا مسجد سے نکلتے ہوئے حدیث سن لی ہو"۔[177]

محمد بن اسحاق کے بارے میں امام ذہبی کی رائے

امام ابن حجر عسقلانی کی عبارت میں بھی امام ذہبی کے تأثرات آ چکے ہیں تاہم آپ ایک اور مقام میں فرماتے ہیں:

"محمد بن اسحاق بن یسار ابو بکر اور کہا جاتا ہے کہ ابو عبداللہ المطلبی المدنی الامام، انہوں نے حضرت انس کی زیارت کی ہے اور حضرت عطا اور زھری سے روایت کی ہے اور ان سے حضرت شعبہ، حمادان، سفیانان، یونس بن کبیر اور احمد بن خالد نے حدیث لی ہے۔ یہ صدوق (سچے) تھے اور علم کا سمندر تھے، ان سے دلیل لینے میں اختلاف ہے اور ان کی حدیث حسن ہے اور تحقیق سے ایک جماعت نے ان کی حدیث کو صحیح کہا ہے"۔[178]

معزز قارئین! آپ ابھی ابھی یہ بات پڑھ چکے ہیں کہ محمد بن اسحاق کو کذاب قرار دینے کی بنیادی وجہ فاطمہ بنت المنذر سے حدیث کی سماعت کا معاملہ ہے۔ ہشام جس سماعت کا اس بنا پر انکار کرتا تھا کہ فاطمہ سے جب ان کا نکاح ہوا تو اس وقت فاطمہ کی عمر نو سال تھی، نقادِ فنِ اسماء الرجال امام ذھبی نے ہشام کے اس قول کو سراسر غلط قرار دے کر نہ صرف اس بنیاد کو کمزور کر دیا بلکہ منہدم کر

---

176 (تھذیب التھذیب، ج۹، ص۳۷،۳۸)

177 (الکامل لابن عدی، ج۷، ص ۲۶۰)

178 (الکاشف للامام الذھبی، ج۳، ص۷، خلاصۃ تذھیب تھذیب الکمال للخزرجی الیمنی، ص ۳۲۶)

دیا، اور امام اہلسنت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سماعت حدیث کی بہترین توجیہ بیان فرما دی۔ لہٰذا محمد بن اسحاق کے ناقدین کو یہ باور کر لینا چاہیئے کہ انہوں نے جس بنیاد پر محمد بن اسحاق بن یسار کو کذاب قرار دینے کا مینار قائم کیا تھا وہ بنیاد امام ذہبی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں منہدم ہو گئی۔ جس قلم سے یہ بنیاد منہدم ہوئی یہ وہی قلم ہے جس کا ناقدین نے بڑے طمطراق سے حوالہ دیا تھا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر آنکھیں عطاء فرمائے تو کھلی ہوئی آنکھوں سے دیکھنے کی توفیق بھی عطا فرمائے، آمین۔

محمد بن اسحاق کے بارے میں امام سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

امام سخاوی محمد بن اسحاق کی نسبت مدح وذم کے تمام اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"پس ابن اسحاق کے بارے میں معاملہ یہاں آٹھہرا ہے کہ وہ صالح الحدیث ہے"۔[179]

محمد بن اسحاق کے بارے میں ابن حزم کا فیصلہ

ابن حزم افراط و تفریط کا شکار انسان ہے، اس نے اکابرین پر بہت حملے کئے ہیں حتیٰ کہ یہ شخص امام ترمذی جیسی اساطینِ اسلام ہستیوں تک کو مجہول کہنے سے باز نہیں آیا۔ جرح وتعدیل کے لحاظ سے یہ شخص ساقط الا عتبار ہے، ہمارے نزدیک اس کی جرح و تعدیل کی کوئی اہمیت نہیں ہے لیکن چونکہ اہل حدیث کہلانے والے لوگوں کے نزدیک اس کے اقوال کا وزن ہے، اس لئے یہاں حضرت محمد بن اسحاق بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق اس کا کلام نقل کیا جاتا ہے۔

---

179 (التحفۃ اللطیفۃ، ج ۲، ص ۴۴۸)

وہ لکھتا ہے:

"محمد بن اسحاق ائمہ میں سے ایک امام ہے، امام زھری نے اس کی توثیق کی ہے، اور اسے مدینہ شریف کے تمام معاصرین پر فضیلت دی ہے، اور حضرت شعبہ نے فرمایا: محمد بن اسحاق امیر المؤمنین فی الحدیث ہے"۔[180]

عمرو بن شعیب پر اعتراض اور اس کا جواب

اب ذرا دوسرے راوی کے بارے میں بعض زائغین کا روشن تبصرہ ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں:

"دوسرے راوی عمرو بن شعیب جو محمد بن اسحاق کے استاد ہیں ان کا معاملہ بھی اپنے شاگرد سے مختلف نہیں۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ "عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ لیس بحجۃ" (عمرو بن شعیب کی روایت اپنے باپ سے اور ان کی اپنے دادا سے حجت نہیں ہے) اور اس روایت میں ایسا ہی ہے اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ وہ آدھی حجت بھی نہیں ہے۔ یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ عمرو بن شعیب ہمارے نزدیک واھی ہے۔ امام احمد کہتے ہیں کہ عمرو بن شعیب کی روایت حجت نہیں ہے۔[181]

ابو زرعۃ کہتے ہیں کہ عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے صرف چند روایتیں سنی ہیں لیکن وہ باپ اور دادا سے منسوب کرکے تمام غیر مسموع روایتیں بے تحاشا بیان کرتے ہیں۔[182]

ابن حجر کہتے ہیں کہ انہوں نے "عن ابیہ عن جدہ" کے طریقہ سے کچھ بھی نہیں سنا وہ کتاب سے نقل کرکے محض تدلیس سے کام لیتے ہیں۔ (طبقات المدلسین، ص ١١)[183]

---

[180] (المحلی، ج٣، ص ٢٤١، تجرید اسماء الرواۃ، ص ٢٢٣)
[181] (تہذیب التہذیب، ج٨، ص ٤٩، ٥٠)
[182] (میزان الاعتدال، ج٢، ص ٢٨٩)
[183] (تعویذ گنڈا شرک ھے، ص ٦، ٧)

یا اللہ! قیامت آکیوں نہیں جاتی؟ حیرت ہوتی ہے ایسے ناقد موحدین پر جو دن دیہاڑے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں۔ کیا ان کے خیال میں صرف وہی علم سے مالا مال ہیں، یا صرف انہی کو کتب اسماء الرجال دستیاب ہیں؟ آخر کیا وجہ ہے کہ اس قدر یک چشمی سے کام لے رہے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کے دھوکے میں کوئی نرا جاہل ہی آسکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ عمرو بن شعیب کا معاملہ بھی محمد بن اسحاق سے مختلف نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں بالکل بجا ہے، یقیناً ان دونوں کا معاملہ مختلف نہیں ہے، کیونکہ جس طرح محمد بن اسحاق ثقہ اور معتبر ہیں عمرو بن شعیب بھی اسی طرح ثقہ اور معتبر ہیں۔ اگر بعض زائغین ان دونوں کو کذاب کہتے ہیں تو جس طرح انہوں نے محمد بن اسحاق کے بارے میں بد ترین خیانت سے کام لیا ہے، عمرو بن شعیب کے بارے میں بھی اسی طرح بد ترین خیانت سے کام لے رہے ہیں۔

عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق محدثین کے اقوال

آیئے دیکھتے ہیں کہ عمرو بن شعیب کے بارے میں محدثین کرام کیا فرماتے ہیں، لیکن اس سے قبل کہ اقوال محدثین ہدیۂ قارئین ہوں، یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ خشک مضمون مجھے مجبوراً الکھنا پڑ گیا ہے۔ یہ مضمون خالصتاً علماء ذی تجسس کا حصہ ہے۔ کامل علماء اور عوام الناس کو ایسے مضامین سے سوائے اکتاہٹ کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ تاہم ایسے مضامین کا لکھنا نہ لکھنے سے بہر حال بہتر ہے۔ لہٰذا اگر تحقیقی نقطۂ نظر سے آپ یہ خشک مضمون پڑھیں گے تو انتہائی مفید ثابت ہو گا۔

عمرو بن شعیب کی ثقاہت میں امام مزی اور ذہبی کا کلام

امام ذہبی فرماتے ہیں:

"عمرو بن شعیب تابعی ہیں، یحییٰ بن معین اور امام ابن راھویہ نے ان کی توثیق کی ہے اور یہ حسن الحدیث ہیں"۔[184]

امام ذہبی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"ان میں اختلاف بھی کیا گیا ہے۔ تاہم ان کی حدیث حسن ہے اور حسن سے بھی اعلیٰ ہے۔ یحییٰ قطان فرماتے ہیں: جب ان سے کوئی ثقہ شخص روایت کرے تو وہ حجت ہیں۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: ہم اس کی حدیث سے اکثر حجت لاتے ہیں"۔[185]

امام رمزی لکھتے ہیں:

"احمد بن عبد اللہ العجلی اور امام نسائی فرماتے ہیں: عمرو بن شعیب ثقہ شخص ہے۔ امام نسائی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: اس سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ابو جعفر احمد بن سعید الدارمی فرماتے ہیں: عمرو بن شعیب ثقہ ہے۔ اس سے ان لوگوں نے روایت کیا جو رجال پر نظر رکھتے ہیں۔ جیسا کہ ایوب، زہری، حکم اور ہمارے اصحاب نے اس کی حدیث سے حجت لی ہے اور اس کے باپ نے عبد اللہ بن عمرو، عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سماعت کی ہے۔ ابو بکر بن زیاد نیشاپوری کہتے ہیں: عمرو بن شعیب کی حدیث کو ائمہ میں سے کسی نے ترک نہیں کیا۔ امام بخاری فرماتے ہیں: میں نے امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی، اسحاق بن راھویہ، ابو عبید اور اپنے اکثر اصحاب کو دیکھا ہے کہ وہ عمرو بن شعیب کی حدیث کو "عن ابیه عن جده" کے طریقہ پر حجت

---

[184] (العبر، ج ۱، ص ۱۴۸، شذرات الذهب، ج ۲، ص ۸۳)

[185] (المغنی، ج ۲، ص ۴۸۴، شذرات الذهب، ج ۲، ص ۸۳)

مانتے ہیں اور اس کی حدیث کو اہل اسلام میں سے کسی شخص نے بھی ترک نہیں کیا۔ امام بخاری فرماتے ہیں: پھر بعد والے لوگ کون ہوتے ہیں؟"۔[186]

امام ذہبی لکھتے ہیں:

"یحییٰ القطان نے کہا جب اس سے ثقہ شخص روایت کرے تو وہ حجت ہے، اور امام احمد نے فرمایا: ہم اکثر اس سے حدیث لیتے ہیں اور امام بخاری نے فرمایا: میں نے احمد بن حنبل، علی بن المدینی، اسحاق، ابو عبید اور اپنے اکثر اصحاب کو دیکھا کہ انہوں نے اس سے حدیث لی"۔[187]

امام سخاوی نے فرمایا:

"عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام احمد العجلی، امام دارمی اور امام نسائی نے ثقہ فرمایا ہے اور ذہبی کے نزدیک اس کی حدیث حسن ہے"۔[188]

ہم ابھی ابھی امام ذہبی کا یہ قول نقل کر چکے ہیں کہ عمرو بن شعیب کی حدیث حسن سے بھی اعلیٰ ہے۔

ایک اہم فائدہ

اس حدیث سے متعلق بحث یہیں ختم کر دی گئی تھی مگر حسن اتفاق سے ہمیں ایک مکتبہ سے کتابیں خریدتے ہوئے دو اہم کتابیں دستیاب ہوئیں۔ ان دونوں کتابوں میں مذکورہ بالا دونوں راویوں "محمد بن اسحاق بن یسار اور عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما" کی بہت توثیق اور تعدیل کی گئی ہے۔

---

[186] (تهذيب الكمال ملخصًا، ج ۱۴، ص ۲۴۷، ۲۴۸، اتحاف الخاصة بتصحيح الخلاصة للكوكبانی، ص ۲۹۰)
[187] (الكاشف للذهبی، ج ۲، ص ۳۲۱، خلاصة تذهيب تهذيب الكمال للخزرجی اليمنی، ص ۲۹۰)
[188] (التحفة اللطيفة، ج ۲، ص ۳۲۳)

یہاں ان دونوں کتابوں کا حوالہ پیش کرنا بہت مفید ثابت ہو گا۔ چنانچہ پہلے محمد بن اسحاق بن یسار کے بارے میں بعد میں عمرو بن شعیب کے بارے میں اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

شیخ عبد الفتاح ابو غدۃ (جو مشہور و معروف معتدل محقق ہیں) نے ایک کتاب تصنیف کی، جس کا نام **"امراء المؤمنین فی الحدیث"** ہے۔ اس کتاب میں سنہ وفات کی ترتیب سے انہوں نے اولو العزم محدثین کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے حدیث شریف کی خدمت کرکے **"امیر المؤمنین فی الحدیث"** کا عظیم لقب حاصل کیا۔ اس کتاب میں سنہ وفات کے لحاظ سے دوسرے نمبر پر محمد بن اسحاق بن یسار کا ذکر آتا ہے۔ شیخ عبد الفتاح ابو غدۃ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

ا۔ "اس لقب سے ملقب ابو بکر محمد بن اسحاق المطلبی المدنی صاحب المغازی بھی ہیں۔ امام ذہبی کی "المغنی" میں ہے کہ عبد الرحمٰن بن مہدی نے کہا: امام شعبہ اور سفیان بن عینیہ فرمایا کرتے تھے: محمد بن اسحاق حدیث میں امیر المؤمنین ہے، اور امام ابن ابی حاتم کی "الجرح والتعدیل" کے مقدمہ میں اور تہذیب التہذیب میں ہے کہ یونس بن بکیر نے کہا: میں نے حضرت شعبہ کو کہتے ہوئے سنا کہ ابن اسحاق اپنے حافظہ کی بدولت امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ ابن عینیہ کہتے ہیں: میں نے شعبہ کو کہتے ہوئے سنا: محمد بن اسحاق امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ شعبہ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے فرمایا: اس کی وجہ ان کی قوت حافظہ ہے۔ شعبہ سے ایک اور روایت میں ہے کہ حدیث میں کسی کو سیادت دی جاتی تو محمد بن اسحاق کو دی جاتی۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے: یزید بن ہارون نے کہا میں نے حضرت شعبہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر میرے پاس طاقت ہوتی تو میں محمد بن اسحاق کو تمام محدثین پر امیر مقرر کر دیتا"۔[189]

---

[189] (امراء المؤمنین فی الحدیث ملحق بجواب الحافظ المنذری، ص ۱۰۹)

۲۔ عمرو بن شعیب کے بارے میں مذکورہ بالا دو کتابوں کا اقتباس ملاحظہ فرمانے سے پہلے بعض زائغین (یعنی کیپٹن عثمانی) کا وہ جھوٹا حوالہ جو اس نے "تہذیب التہذیب" سے نقل کیا ہے، ایک مرتبہ پھر پڑھ لیجیئے۔ وہ لکھتا ہے:

"ابو داؤد کہتے ہیں کہ عمرو بن شعیب "عن ابیه عن جده لیس بحجة" عمرو بن شعیب کی روایت اپنے باپ سے اور ان کی اپنی دادا سے حجت نہیں ہے"۔[190]

اس کا جواب پہلے عرض کیا گیا ہے کہ "تہذیب التہذیب" میں امام ابو داؤد سے یہ الفاظ ثابت نہیں ہیں۔ پھر خود امام ابو داؤد نے عمرو بن شعیب سے حدیث روایت کی ہے اور اس پر خاموشی اختیار فرمائی ہے اور جس حدیث پر وہ خاموشی اختیار فرمائیں وہ ان کے نزدیک حسن یا صحیح ہوتی ہے۔

اب آپ عمرو بن شعیب کے بارے میں وہ وقیع حوالہ ملاحظہ فرمائیں جس کا اوپر وعدہ کیا۔ امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیثِ حسن کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت فاعلیٰ مراتب الحسن بهز بن حکیم عن ابیه عن جده وعمرو بن شعیب عن ابیه عن جده۔

میں کہتا ہوں حدیث حسن کے اعلیٰ مراتب سے وہ احادیث ہیں جو "بهز بن حکیم عن ابیه عن جده" اور "عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده" کے طریق پر مروی ہیں۔

اس سے ذرا آگے لکھتے ہیں:

وهو قِسمٌ مُتجاذَبٌ بين الصحةِ والحُسن. فإنَّ عِدَّةً من الحُفَّاظ يُصَحِّحون هذه الطُرُق، وينعتونها بأنها من أدنى مراتب الصحيح۔[191]

---

[190] (تعویذ گنڈا شرک ھے، ص ۶، تعویذات اور شرک، ص ۶)

[191] (الموقظة فی علم مصطلح الحدیث، ص ۳۲، ۳۳)

اور یہ حدیث کی وہ قسم ہے جو حسن اور صحیح کے درمیان معلق ہے۔ متعدد حفاظ حدیث ان طرق سے مروی احادیث کو صحیح شمار کرتے ہیں اور صحیح کے مراتب کے قریب ترین سمجھتے ہیں۔

امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت میں "بهز بن حكيم عن ابيه عن جده" کی حدیث حدیث حسن میں اعلیٰ مرتبہ رکھتی ہے لیکن مشہور محدث، صاحب کتاب "الجرح و التعديل" امام ابو حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عمرو بن شعیب کا مرتبہ بھز بن حکیم سے زیادہ ہے۔

چنانچہ امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

سئل أبي عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده و بهز بن حكيم عن أبيه عن جده فقال عمرو أحب إلي۔[192]

میرے والد گرامی سے "عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده" اور "بهز بن حكيم عن ابيه عن جده" کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: مجھے عمرو بن شعیب (کی حدیث) زیادہ محبوب ہے۔

اس وضاحت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ عمرو بن شعیب کی حدیث "عن ابيه عن جده" کے طریقہ پر حدیثِ حسن میں اعلیٰ مرتبہ رکھتی ہے۔ لہٰذا ان کی حدیث کا رتبہ صحیح حدیث کے قریب ترین ہوا۔ جیسا کہ امام ذہبی نے صراحتًا یہی بات فرمائی ہے۔

ناظرین کرام یہ ہے وہ حدیث مبارک، جس کی سند اور متن پر بعض لوگوں نے عدل و انصاف کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر کلام کیا۔ خدارا غور فرمایئے! جن صفحات میں کسی راوی پر جرح و قدح کا ایک آدھ جملہ مرقوم ہو اسے تو اچک لیا جائے اور اس کی تعدیل و توصیف میں جو کچھ لکھا ہوا ہو اس سے آنکھیں بند کر لی جائیں، کیا یہی انصاف ہے؟ کیا یہی خدمت دین ہے؟ اور کیا اسی کا نام توحید ہے؟

---

192 (تهذيب التهذيب، ج٦، ص ١٦٠)

کیا تابعین سے تعویذ لٹکانے کا جواز ثابت نہیں؟

بعض زائغین نے پانچویں علت یہ بیان کی ہے کہ "کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کسی تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تمیمۃ کو جائز قرار نہیں دیا۔ الی ان قال، ہم اس سے قبل حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، سعید بن المسیب، امام مجاہد تلمیذِ ابن عباس، حضرت عطاء، امام باقر، امام محمد بن سیرین اور حضرت ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حوالے سے لکھ آئے ہیں کہ یہ حضرات تعویذ لکھنے اور لٹکانے کے جواز کے قائل تھے۔ دیکھئے (مصنف ابن ابی شیبۃ، ج ۵، ص ۴۲، ۴۳) باقی کسی مخبوط انسان کو سمجھانا مشکل ہے۔ اللہ کریم ہمیں حق کی اتباع نصیب فرمائے اور باطل سے اجتناب کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسٓ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم

نجومیوں اور جعلی عاملوں کے پاس جانے کی مذمت

قرآن کریم کے شفاء ہونے اور اس سے شفاء کے حصول کے تذکرہ کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ساحروں، نجومیوں، کاہنوں اور نام نہاد عاملوں کے پاس جا کر فال نکالنے، شرکیہ اور مجہول تعویذ لینے کا حکم بھی بیان کر دیا جائے۔

جو شعبدہ باز قزاق طوطا اور مینا کے ذریعے لوگوں کو لوٹتے ہیں، دست شناسی اور فال کے ذریعے لوگوں کو پاگل بنا کر پیسے بٹورتے ہیں۔ جن کے آستانوں پر بڑے بڑے بورڈ آویزاں ہوتے ہیں اور یہی بورڈ ہی ان کا سارا دھرم بھرم اور سرمایہ ہوتے ہیں۔ سطور ذیل میں ایسے مکار اور ان کے دامِ فریب میں آنے والے لوگوں کے بارے میں حکم شریعت ملاحظہ ہو۔

۱۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: جو شخص فال نکالے یا نکلوائے، کہانت (علم غیب کا دعویٰ کرے) یا غیب

معلوم کرنے کی کوشش کرے، جو شخص جادو کرے یا کروائے اور جو شخص گرہیں باندھے اور جو شخص کاہن (علمِ غیب کے مدعی) کے پاس آئے پھر جو کچھ وہ کہے یہ اس کی تصدیق کرے تو اس نے اس چیز کا انکار کر دیا جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر اتاری گئی۔[193]

۲۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: جو شخص نجومی کے پاس جائے پھر اس سے کسی چیز کے بارے میں دریافت کرے تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کی جاتی۔[194]

عامۃ الناس اپنی قسمت سنوارنے، راتوں رات کروڑ پتی بننے اور اپنی تمناؤں کی تکمیل کے لئے ایسے جاہلوں کا رخ کرتے ہیں، حالانکہ ان جاہلوں کے پاس مکر وفریب کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اگر ان کے پلے کچھ علم ہوتا تو یہ اپنی شہرت کے لئے اس قدر کوشش کیوں کرتے؟ یہ لوگ اپنی شہرت کے لئے آئے روز اخبارات میں اشتہارات دیتے ہیں، ہینڈ بل تقسیم کراتے ہیں، اس کوشش سے کوئی نہ کوئی شخص ان کے جال میں پھنس ہی جاتا ہے۔ اگر دن بھر میں ایک انسان بھی ان کے جال میں آجائے تو ان کی دہاڑی بن جاتی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اہل اسلام کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر علم وشعور کا نور عطا فرمائے، آمین۔

غیر مسلموں کے پاس جانے والوں کا حکم

اسلام کے دعویدار کچھ لوگوں کی ضعیف الاعتقادی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنی حاجت بر آری کے لئے ہندو اور عیسائی عاملوں کے پاس جانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ خود سوچیے! جو شخص قرآن و

---

[193] (سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۱۳۵، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۳۹۰۴، مسند احمد، رقم الحدیث: ۹۵۳۲، مستدرک للحاکم، رقم الحدیث: ۱۵، مشکوٰۃ، رقم الحدیث: ۵۵۱، الدر المنثور، ج ۱، ص ۲۵۰)

[194] (مسلم، رقم الحدیث: ۵۸۲۱)

سنت کو چھوڑ کر کفر کی طرف جائے تو کیا اس کا قرآن و سنت پر ایمان رہا؟ یاد رہے کہ "کُلُّ شَیءٍ یَرْجِعُ اِلیٰ اَصْلِہٖ" (ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے) لہٰذا جو لوگ کافروں کے پاس جا کر اپنی مشکلات کے حل کے لئے انتر منتر کراتے ہیں، وہ غور کریں کہ ان کے دل میں کون سی ایسی سوچ آئی جس نے انہیں قرآن و حدیث سے ہٹا کر کفر کے دروازے پر پہنچا دیا؟ آخر ان لوگوں کو کفار کے پاس جا کر کیا حاصل ہوتا ہے؟ کفار جادو کا سہارا لیتے ہیں اور جادو کفر ہے، لہٰذا ان کے پاس جانے والوں کو کفر ہی ملے گا کیونکہ مشہور مقولہ ہے کہ "کُلُّ اِنَاءٍ یَّنْضَحُ بِمَا فِیْہِ" (ہر برتن سے وہی نکلتا ہے جو اس میں ہو) خود غور کیجیے کہ ہندوؤں، یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں کفر کے سوا اور کیا ہے؟

خیال رہے کہ اوپر جن کاہنوں، نجومیوں اور جادوگروں کا ذکر ہوا، وہ سب کافر ہی ہیں، اگرچہ خود کو مسلمان ظاہر کرتے ہوں۔ بعض ایسے لوگ جو مساجد کے امام اور خطیب ہیں یا وہ ایک عرصہ تک امام و خطیب رہے اور بعد میں وہ اس دھندے میں پڑ گئے۔ سو وہ بھی اگر فال نکالتے ہوں اور غیب دانی کے مدعی ہوں، یا دھوؤں، موم بتیوں، مورتیوں، گڑیوں اور ہانڈیوں وغیرہ کے چکر کی آڑ لے کر عامۃ الناس کی جیبیں صاف کرتے ہوں تو ان میں اور غیر مسلموں میں کیا فرق ہے؟

سچ پوچھیے تو اسلامی جبوں قبوں میں اسلامی وضع قطع رکھنے والے یہ لوگ اگر شعبدہ بازی نہ کرتے تو سادہ لوح اہلِ اسلام ہندوؤں اور عیسائیوں کے پاس ہرگز نہ جاتے۔ دراصل لوگوں نے جب دیکھا کہ طریقۂ واردات دونوں (ہندو، عیسائی اور نام نہاد مسلم) کا یکساں ہے تو انہوں نے باور کر لیا کہ جب دونوں کے عمل میں کوئی فرق نہیں تو ہندوؤں، یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس جانے میں کیا مضائقہ ہے؟ معاذ اللہ!

کیا قرآن و سنت میں کوئی تاثیر نہیں ہے؟

ایسے لوگ جن کا قرآن و سنت کے ساتھ تعلق رہا ہو اور اب وہ ہندوانہ اور جاہلانہ ایسی شعبدہ بازیوں سے اپنا کام چلا رہے ہوں ان سے ہماری اپیل ہے کہ خدارا یہ دھندا فوراً ترک کر دیں، اور لوگوں کو قرآن و حدیث کا فیض پہنچائیں، یقین جانیئے! قرآن و سنت میں ہر مشکل کا حل اور ہر بیماری کا علاج ہے۔

دم اور تعویذ کی اُجرت کی شرعی حیثیت

سوال: دَم کرنے اور تعویذ دینے کی اجرت قبول کرنا یا وصول کرنا شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اس کا اجمالی جواب یہ ہے کہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں یہ اُجرت قبول کرنا اور وصول کرنا دونوں صورتوں میں جائز ہے۔ اس اجمال کی تفصیل میں پہلے چند احادیث پیش کی جاتی ہیں بعد میں محدثین کی تشریحات پیش کی جائیں گی۔

حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ حدیث گزشتہ صفحات میں متعدد حوالہ جات کے ساتھ گزر چکی ہے۔ اس کو ایک مرتبہ پھر "دم کرنے کے بارے میں بعض صحابہ کا اجتہاد اور حضور کی تائید" کے عنوان کے تحت ملاحظہ فرما لیجیئے۔ یہاں اس حدیث کو دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ محدثین کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس حدیث پر جو عنوانات قائم کئے ہیں انہیں یہاں لکھا جاتا ہے۔ قارئین کرام نے اگر ان عنوانات میں غور کرنے کی زحمت گوارا فرمائی تو زیر بحث مسئلہ خود بخود سمجھ آ جائے گا۔

حدیثِ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قائم کردہ ابواب سے دم اور تعویذات کی اُجرت پر دلیل

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر یوں باب قائم کیا ہے:

باب ما يعطى في الرقية على أحياء العرب بفاتحة الكتاب۔[195]

سورۃ الفاتحۃ پڑھ کر عربوں پر پھونکنا اور اس کی اجرت لینا۔[196]

دوسرے مقام پر یوں باب قائم فرمایا ہے:

باب الشرط في الرقية بقطيع من الغنم۔[197]

باب، اگر منتر پڑھنے والا کچھ بکریاں لینے کی شرط کرے۔[198]

مسلم شریف میں یوں باب قائم کیا گیا ہے:

باب جواز أخذ الأجرة على الرقية بالقرآن والأذكار۔[199]

قرآن واذکار کے ساتھ دم کر کے اجرت لینے کے جواز پر باب۔

چونکہ دم اور تعویذ کا تعلق طب روحانی سے بھی ہے، اس لئے امام ابوداوٗد رحمہ اللہ تعالیٰ نے درج ذیل الفاظ سے باب قائم فرمایا ہے:

بَابٌ فِي كَسْبِ الْأَطِبَّاءِ۔[200]

طبیبوں کی کمائی کے بیان میں باب۔

---

195 (بخاری، ص ٣٦٣)

196 (ترجمہ از وحیدالزماں، تیسیر الباری، ج٣، ص ٣٢٠)

197 (بخاری، ج٥، ص ٢١٦٦، الناشر: دار ابن کثیر، الیمامة - بیروت)

198 (ترجمہ از علامہ وحیدالزماں، تیسر الباری، ج٧، ص ٥٠١)

199 (صحیح مسلم، ص ٩٧٥)

200 (سنن ابی داؤد، ص ٣٥٥)

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یوں باب قائم فرمایا ہے:

باب ما جاء في أخذ الاجر على التعويذ۔[201]

تعویذ پر اجرت لینے کے بارے میں باب۔

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

بَابُ أَجْرِ الرَّاقِي۔[202]

دم کرنے والوں کی اُجرت کے بیان میں باب۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ذكر باباحة اخذ الراقى الاجرة على رقيته التي وصفناها۔[203]

دم کرنے والے کا دم کرنے پر اجرت وصول کرنے اور اس کے مباح ہونے کا ذکر۔

آپ نے درج ذیل الفاظ میں بھی عنوان قائم کیا ہے:

ذكر الاباحة للمرء اخذ الاجرة المشترطة فى البداية على الرقى۔[204]

دم کرنے پر پہلے سے طے شدہ اُجرت وصول کرنے کی اباحت کے ذکر میں۔

امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

رقى اللديغ بفاتحة الكتاب وشفاءه واخذه العوض على الرقىٰ۔[205]

بچھو کے کاٹے ہوئے شخص پر سورۂ فاتحہ دم کرنا اس کا شفاء ہونا اور اس پر دم پر معاوضہ وصول کرنے کا بیان۔

---

[201] (سنن ترمذی، ص ۴۷۴)

[202] (سنن ابن ماجہ، ج۳، ص ۱۵)

[203] (الاحسان فی ترتیب صحیح ابن حبان، ج۷، ص ۲۳۶)

[204] (الاحسان فی ترتیب صحیح ابن حبان، ج۷، ص ۲۳۷)

[205] (المستدرک للحاکم، ج ۲، ص ۲۶۲)

اس حدیث پر قائم کردہ عنوانات اور دیگر تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو۔[206]

ائمہ محدثین کے قائم فرمودہ ان عنوانات اور ابواب سے یہ بات روز روشن سے بھی زیادہ عیاں ہو جاتی ہے کہ دم کرنے اور تعویذات دینے پر اجرت، ہدیہ یا فیس قبول کرنا اور وصول کرنا جائز ہے۔ اسی حقیقت کو اب اس حدیث کی شرح کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیے۔

حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرح کی روشنی میں دم اور تعویذات کی اجرت کا جواز

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وفيه جواز أخذ الأجرة على الرقية والطب وعلى تعليم القرآن، وهو قول مالك وأحمد والشافعي وأبي ثور وإسحاق، وجماعة من السلف وأهل العلم. ومنعه أبو حنيفة وأصحابه في تعليم القرآن، وأجازوه في الرقية۔[207]

اس حدیث میں دم، طب اور تعلیم قرآن پر اجرت وصول کرنے کا جواز موجود ہے اور یہ امام مالک، امام احمد، امام شافعی، امام ابو ثور، امام اسحاق بن راھویہ اور اسلاف اور اہل علم کی ایک جماعت کا قول ہے، اور امام ابو حنیفہ اور آپ کے تلامذہ نے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو منع فرمایا ہے اور دم کرنے کی اجرت کو جائز رکھا ہے۔

---

[206] (السنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۱۰۸۶۸، مسند احمد، ج۳، ص ۱۰ نیز طبع جدید رقم الحدیث: ۱۱۰۸۵، مسند عبد بن حمید، رقم الحدیث: ۸۶۷، مصنف ابن ابی شیبۃ، رقم الحدیث: ۲۳۵۷۷، سنن دارقطنی، رقم الحدیث: ۳۰۱۵ تا ۳۰۱۸، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۶۰۷۹، ۶۰۸۰، مستدرک، رقم الحدیث: ۲۰۹۸، شعب الایمان، رقم الحدیث: ۲۳۶۶، عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی، رقم الحدیث: ۶۳۶، نیل والاوطار، رقم الحدیث: ۲۳۷۷)

[207] (اکمال المعلم بفوائد مسلم، ج۷، ص ۱۰۷)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

هذا تصريح بجواز اخذ الاجرة على الرقية بالفاتحة والذكر وانها حلال لا كراهة فيها۔

یہ صراحت ہے اس بات پر کہ سورۂ فاتحہ اور ذکر کے ذریعے دم کر کے اجرت وصول کرنا جائز ہے اور بے شک یہ حلال ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

اس سے آگے امام نووی نے قاضی عیاض کی طرح لکھا ہے۔[208]

شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلد نے ایک مقام پر امام نووی کی طرح لکھا ہے۔[209]

اور وہ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

وفيه جواز الرقية وبه قالت الأئمة الأربعة وفيه جواز أخذ الأجرة۔[210]

اس حدیث میں دم کرنے کا جواز موجود ہے اور یہی ائمہ اربعہ کا قول ہے اور اس میں اجرت وصول کرنے کا جواز بھی موجود ہے۔

اب اگلی عبارات نقل کرنے سے قبل بعض زائغین کی اس حدیث پر بے جا تاویلات کا ذکر کیا جاتا ہے، پھر محدثین کی عبارات پیش کی جائیں گی تاکہ ان تاویلاتِ فاسدہ کو عباراتِ محدثین کی روشنی میں پرکھا جاسکے۔

---

[208] (شرح صحیح مسلم للنووی، ج۱۴، ص۴۱۰)

[209] (عون المعبود، ج۹، ص۲۰۷)

[210] (عون المعبود، ج۱۰، ص۲۸۰)

اس حدیث پر بعض زائغین کی تاویلات فاسدہ

بعض زائغین نے مکمل حدیث لکھنے کے بعد کہا:

"یہ حدیث صاف بتارہی ہے کہ یہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ اور اس خاص موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان قبیلہ والوں سے اجرت کا معاملہ صرف ان کی بے مروتی سے ناراض ہونے کی وجہ سے کیا تھا کیونکہ اس روایت کے علاوہ پورے سرمایۂ حدیث میں ایک صحیح روایت بھی ایسی نہیں جس سے معلوم ہو کہ کبھی اور بھی کسی صحابی نے ایسی اجرت لی ہے۔ رہی خارجہ بن الصلت کی روایت تو خود خارجہ ضعیف ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ ٹھیٹھ اجرت کا معاملہ ہے بھی نہیں کیونکہ اگر یہ بھیڑیں اجرت میں دی گئی تھیں تو یہ صرف دم کرنے والے کی اجرت تھیں۔ ان کا تقسیم کیا جانا اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا اپنا حصہ نکالنے کے لئے کہنا، اجرت کے معاملے میں تو بہر حال نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس روایت سے اجرت کا جواز نکالنا صحیح نہیں ہے۔ دراصل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشاد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تالیفِ قلب کے لئے تھا۔ کیونکہ ایسی جگہ پر جہاں کھانے پینے کی چیزیں دستیاب نہ ہو رہی ہوں ایک قبیلہ کا مہمان نوازی سے انکار کر دینا سخت خطرناک نتائج کا حامل ہو سکتا ہے۔ ایسے غیر معمولی حالات کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہ بات کہی تاکہ قبیلہ والوں نے جو انہیں کھلایا پلایا تھا اُس پر اُن کا دل نہ کُڑھے ورنہ عام حالات میں قرآن پر اُجرت لینے سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے شدت کے ساتھ منع فرمایا ہے"۔[211]

---

211 (تعویذ گنڈا شرک ھے، ص ۱۴)

ا۔ اس عبارت میں اس بات پر زیادہ زور دیا گیا ہے کہ قبیلہ والوں کی بے مروتی سے ناراض ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اُجرت لی تھی۔

۲۔ دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ پورے سرمایۂ حدیث میں اس کے علاوہ اور کوئی حدیث ایسی نہیں جس سے معلوم ہو کہ کبھی اور بھی کسی صحابی نے ایسی اُجرت لی ہے۔

۳۔ تیسری بات یہ کہی گئی ہے کہ رہی خارجہ بن الصلت کی روایت تو خود خارجہ ضعیف ہے۔

۴۔ چوتھی بات یہ کہی گئی ہے کہ یہ ٹھیٹھ اجرت کا معاملہ ہے بھی نہیں، کیونکہ اگر یہ بھیڑیں اجرت میں دی گئی تھیں تو یہ صرف دم کرنے والے کی اجرت تھیں۔ ان کا تقسیم کیا جانا اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا اپنا حصہ نکالنے کے لئے کہنا اُجرت کے معاملے میں تو بہرحال نہیں ہو سکتا۔

۵۔ پانچویں بات یہ کہی گئی ہے کہ دراصل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشاد، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تالیف قلب کے لئے تھا۔

ان تمام باتوں کا بالترتیب جواب ملاحظہ ہو!

ا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر کوئی فرض تو نہیں تھا کہ وہ ان کا علاج کریں۔ اگر دم کرنا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر فرض ہوتا تو وہ اجرت کے مستحق نہ ہوتے، کیونکہ انسان کے ذمہ جو چیز فرض ہو اُسے اُس نے ہر حال میں نبھانا ہوتا ہے، اور نہ ہی گاؤں والوں پر اُن کی میزبانی کرنا ضروری تھی۔ انہوں نے بے مروتی کا مظاہرہ کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان سے دم کرنے کی اجرت وصول فرمالی۔ چوتھے اعتراض کا جواب بھی یہی ہے کہ اگر وہ اجرت نہیں تھی تو کیا

ڈاکہ تھا، رشوت تھی، بھتہ تھا یا تاوان تھا؟ اگر ان میں سے کوئی چیز ہوتی تو دم کئے بغیر بھی ہتھیائی جا سکتی تھی، اس کے لئے دم کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

۲۔ اس کے علاوہ اور احادیث بھی ہیں جو عنقریب آ رہی ہیں۔

۳۔ یہ بعض زائغین نے سراسر جھوٹ بولا ہے۔ خارجہ بن صلت ضعیف نہیں ہے۔ تفصیل خارجہ بن الصلت کی حدیث کے بعد ملاحظہ کریں۔

۴۔ چوتھے اعتراض کا جواب پہلے جواب میں موجود ہے۔

۵۔ تالیف قلب کی کیا ضرورت تھی، نبی کا منصب اینچ پینچ سے کام چلانا نہیں ہوتا۔ حلال و حرام کا معاملہ ہو اور نبی اینچ پینچ سے کام لے؟ معاذ اللہ، کیا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یوں نہیں کہا جا سکتا تھا کہ مجبوری کے عالم میں یہ معاملہ تمہارے لئے جائز تھا لیکن آئندہ ایسا نہ کرنا۔ جو ذات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اپنی خواہش سے کلام نہ کرے اس کے بارے میں یہ تصور کرنا کہ اس نے ناجائز چیز کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ اس میں میرا حصہ لگاؤ، صریح گستاخی ہے۔

یہ ہیں بعض زائغین کے افکارِ خبیثہ، ہمارے لئے محدثین اور سلف صالحین کے افکار طیبہ اور اقوال واضحہ ہی کافی حجت ہیں۔

چنانچہ امام ابو العباس قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ "خذوا منھم واضربوا الی معکم بسھم" (لے لو اور میرا حصہ بھی نکالو) کے تحت لکھتے ہیں:

بيان للحكم بالقول، وتمكين له بالعمل؛ إذ لم تكن له حاجة لذلك السَّهم إلا ليبالغ في بيان أن ذلك من الحلال المحض؛ الذي لا شبهة فيه، فكان ذلك أعظم دليل لمن يقول

بجواز الأجرة على الرُّقى والطب . وهو قول مالک ، والشافعي ، وأبي حنيفة وأصحابه ، وأحمد، وإسحاق، وأبي ثور، وجماعةمن السَّلف والخلف۔[212]

اس قول سے اس اجرت کی حلت بیان کرنا مقصود ہے اور عمل کے ساتھ اس کی مضبوطی ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو حصہ کی ضرورت نہیں تھی، مگر آپ نے مبالغہ کے ساتھ فرمایاہے کہ یہ اجرت محض حلال ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ پس یہ حدیث ان لوگوں کی سب سے بڑی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ دم اور طب پر اجرت لینا جائز ہے۔ یہ امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ، آپ کے اصحاب، امام احمد، امام اسحاق بن راھویہ، امام ابو ثور اور متقدمین ومتأخرین کی ایک جماعت کا قول ہے۔

امام ابن العربی المالکی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وطلب هؤلاء القوم حقهم فی الرقية بما يجوز لهم (الثانية) أن الرقية لم تلزمهم ولو كانت واجبةلماجاز أن يأخذوا عليها جعلا۔[213]

امام ابن حجر عسقلانی، امام عینی، امام قسطلانی اور علامہ سندھی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اس حدیث کے تحت نہایت واضح الفاظ میں تعویذات کی اُجرت وصول کرنے کو جائز ثابت کیاہے۔[214]

قاضی شوکانی غیر مقلد اس حدیث سے مستنبط شدہ فوائد شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وجواز طلب الهدية ممن يعلم رغبته في ذلک وإجابته إليه۔[215]

---

212 (المفهم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم، ج۵، ص۵۸۷، ۵۸۸)

213 (عارضة الأحوذی، ج۸، ص۱۶۶، ۱۶۷)

214 (فتح الباری، ج۵، ص۲۱۴، عمدة القاری، ج۱۲، ص۹۶ وص،۱۰۱، ارشاد الساری، ج۵، ص۲۴۲، شرح سنن ابن ماجه، ج۳، ص۱۶)

215 (نیل الاوطار، ج۵، ص۳۸۰)

اس حدیث میں اس شخص سے ہدیہ طلب کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے جو ہدیہ پیش کرنے کے لئے آمادہ ہو۔

علامہ وحید الزماں غیر مقلد لکھتے ہیں:

"اس حدیث سے منتر کرنے کا جواز اور اس پر اجرت لینے کا جواز معلوم ہوا۔ یہی قول ہے ائمہ اربعہ کا، لیکن وہی منتر مراد ہے جس میں شرک اور کفر کے الفاظ نہ ہوں"۔[216]

تعویذات کی اجرت پر علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصریح

علامہ ذہبی علم و عمل میں ایک مسلمہ شخصیت ہیں، خصوصًا علم اسماء الرجال میں ان کا لوہا مانا جاتا ہے۔ بعض زائغین نے بھی ان کی ادھوری عبارات سے استدلال کیا ہے۔ اس لئے اس مسئلہ میں ان کی رائے نقل کرنا مناسب ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وفی اخذھم القطیع دلیل علی اخذ الاجرۃ علی الطب والرقی ویؤیدہ قولہ علیہ الصلاۃ والسلام اضربوا لی معکم بسھم۔[217]

بکریوں کی ٹکڑی وصول کرنے میں طب اور دم پر اجرت وصول کرنے کی دلیل ہے اور اس کی تائید آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اس قول سے ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا: اس میں تم اپنے ساتھ میرا حصہ بھی لگاؤ۔

بعض زائغین کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ اجرت نہیں تھی، اگر اجرت ہوتی تو وہ صرف دم کرنے والے شخص کا حق تھا، اسے تقسیم کیوں کیا گیا؟

---

[216] (حاشیہ سنن ابی داؤد، ج۳، ص ۲۰۶، مطبوعہ نعمانی کتب خانہ، حق سٹریٹ اردو بازار، لاھور طبع بار اول ۱۴۰۷ھ)

[217] (الطب النبوی ﷺ، ص ۲۳۸)

اس کے جواب میں علامہ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قسموا القطيع بمرضاة الراقي تبرعاً. في خبر مفسرٍ: أن الراقي هو أبو سعيد الخدري راوي الحديث، وقد بوب عليه الترمذي في جامعه باب أجرة الطبيب. وبوب عليه أبو داود في سننه باب كسب الطبيب۔[218]

بکریوں کی ٹکڑی کو تبرعًا (احسانًا) دم کرنے والے شخص کی رضا سے تقسیم کیا گیا۔ ایک حدیث میں واضح ہے کہ دم کرنے والے خود ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو کہ راویٔ حدیث ہیں۔ امام ترمذی نے اس پر اپنی ''جامع'' میں ''طبیب کی اجرت کا باب'' قائم کیا ہے اور امام ابو داؤد نے اپنی ''سنن'' میں ''طبیب کی کمائی کا باب'' قائم کیا ہے۔

بکریوں کی اس تقسیم کو دم کرنے والے کی جانب سے تبرع اور احسان قرار دینے کا قول اکثر علماء کرام نے کیا ہے۔ مثلاً قاضی عیاض، امام نووی، امام قسطلانی اور غیر مقلد عالم شمس الحق عظیم آبادی وغیرہ۔ یہ واقعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہے اس میں ہے کہ جب دم کرنے والا شخص دم کرنے کے معاوضہ میں بکریاں لے آیا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس بات کو ناپسند کیا اور فرمایا ''اخذت علی کتاب اللہ اجرًا'' (کیا تم نے اللہ تعالیٰ کی کتاب پر اجرت لے لی؟) حتیٰ کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مدینہ طیبہ پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بارگاہ میں بایں الفاظ شکایت کی:

يا رسول الله أخذ على كتاب الله أجرا، فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: إن أحق ما أخذتم عليه أجرا كتاب الله۔[219]

---

[218] (الطب النبوی للذہبی، ص ۲۳۸)

[219] (بخاری، رقم الحدیث: ۵۷۳۷، سنن دار قطنی، رقم الحدیث: ۳۰۱۹، ۳۰۲۰، شرح السنۃ، ج ۳، ص ۲۴۷، نیل الاوطار، رقم الحدیث: ۲۳۷۶)

یہ حدیث اپنے معنیٰ میں اس قدر واضح ہے کہ کسی قسم کی تشریح کی حاجت نہیں۔

دم اور تعویذ کی اجرت کے جواز پر دوسری حدیث

امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

عَنْ خَارِجَةَ بْنِ الصَّلْتِ التَّمِيمِيِّ، عَنْ عَمِّهِ، أَنَّهُ أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمَ، ثُمَّ أَقْبَلَ رَاجِعًا مِنْ عِنْدِهِ، فَمَرَّ عَلَى قَوْمٍ عِنْدَهُمْ رَجُلٌ مَجْنُونٌ مُوثَقٌ بِالْحَدِيدِ، فَقَالَ أَهْلُهُ: إِنَّا حُدِّثْنَا أَنَّ صَاحِبَكُمْ هَذَا قَدْ جَاءَ بِخَيْرٍ، فَهَلْ عِنْدَكَ شَيْءٌ تُدَاوِيهِ؟ فَرَقَيْتُهُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، فَبَرَأَ، فَأَعْطَوْنِي مِائَةَ شَاةٍ، فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ: هَلْ إِلَّا هَذَا وَقَالَ مُسَدَّدٌ: فِي مَوْضِعٍ آخَرَ هَلْ قُلْتَ غَيْرَ هَذَا؟ قُلْتُ: لَا، قَالَ «خُذْهَا فَلَعَمْرِي لَمَنْ أَكَلَ بِرُقْيَةٍ بَاطِلٍ لَقَدْ أَكَلْتَ بِرُقْيَةٍ حَقٍّ۔ [220]

خارجہ بن الصلت تمیمی اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ پھر واپس ہوئے تو ان کا ایک قوم پر گزر ہوا۔ جن کے ہاں ایک مجنوں شخص لوہے کی زنجیروں میں بندھا ہوا تھا۔ اس کے گھر والوں نے کہا: بے شک تمہارے یہ صاحب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم خیر کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں، تو کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس سے تم اس مریض کا علاج کرو؟ تو میں نے اس پر سورۃ الفاتحہ دم کی تو وہ بیماری سے بری ہو گیا۔ اس پر انہوں نے مجھے سو بکریاں دیں۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پاس آیا اور آپ کو خبر دی۔ آپ نے فرمایا: تم نے اس کے سوا کچھ اور پڑھا تھا؟ میں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا: لے لو، مجھے میری زندگی کی قسم! تم نے بلاشبہ برحق دم کے ذریعے کھایا۔

---

[220] (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۳۸۹۶، ۳۴۲۰، ۳۹۰۱)

امام ابوداؤد کے علاوہ یہ حدیث امام نسائی، امام ابن حبان، امام احمد، امام حاکم، امام بیہقی، قاضی شوکانی اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی ذکر ہے۔[221]

مندرجہ بالا روایات میں سے اکثر میں ہے کہ انہوں نے صبح و شام تین روز دم کیا، نیز اکثر روایات میں "خُذُھَا" (وہ بکریاں لے لو) کی بجائے "کُلْ" (کھاؤ) کے الفاظ ہیں۔ محدثین فرماتے ہیں: اس حدیث میں یہ الفاظ توجہ کے مستحق ہیں "فقد اکلت برقیۃ حق" (تم نے برحق دم کے ذریعہ کھایا) حالانکہ انہوں نے وہ بکریاں استعمال نہیں کی تھیں۔ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے "خُذُھَا" (لے لو) اور "کُلْ" (کھاؤ) کے الفاظ بھی استعمال فرمائے، جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے وہ بکریاں ابھی تک استعمال نہیں کی تھیں۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ماضی کے الفاظ کیوں استعمال فرمائے؟ ان الفاظ کی محدثین نے بہترین توجیہ فرمائی ہے۔ امام ابن حبان کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ آپ لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "خُذْهَا" أَرَادَ بِهِ جَوَازَ ذَلِكَ الشَّيْءِ الْمَأْخُوذِ مَعَ جَوَازِ اسْتِعْمَالِهِ فِي الْمُسْتَقْبَلِ، لِأَنَّ الشَّاءَ أَخَذَهَا الرَّاقِي قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَ النَّبِيُّ صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ سَأَلَ بَعْدَ ذَلِكَ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "خُذْهَا" أَرَادَ بِهِ جَوَازَ فِعْلِ الْمَاضِي وَالْمُسْتَقْبَلِ مَعًا۔[222]

جو اجرت لی گئی آپ کے ارشاد "خذھا" سے اس کا جواز بیان کرنا مقصود ہے۔ مستقبل میں استعمال کے جواز کے ساتھ، کیونکہ دم کرنے والے شخص نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ

---

[221] (سنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث: ۱۰۸۷۱، صحیح ابن حبان، ج۷، رقم الحدیث: ۶۰۷۷، ۶۰۷۸، مسند احمد، ج۵، ص ۲۱۱، طبع قدیم و طبع جدید، ج۷، رقم الحدیث: ۲۲۱۷۹، ۲۲۱۸۰، المستدرک للحاکم، رقم الحدیث: ۲۰۹۹، شعب الایمان، ج۲، ص ۴۴۹، رقم الحدیث: ۲۳۶۵، نیل الاوطار، رقم الحدیث: ۲۳۷۸، ج۵، ص ۳۹۰، ھبۃ الرحمان الرحیم للمخدوم محمد ھاشم ٹھٹھوی، ص ۲۵)

[222] (صحیح ابن حبان، ج۷، ص ۶۳۷)

وسلم کے پاس حاضر ہونے سے پہلے بکریاں لے لی تھیں، پھر اس نے آپ سے بعد میں مسئلہ پوچھا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے "خذھا" کے لفظ سے اس پر ماضی اور مستقبل دونوں کے جواز کا ایک ساتھ اظہار فرمایا۔

اہل حدیث کہلانے والے مصنف شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں:

وإنما أتى بالماضي في قوله أكلت بعد قوله كل دلالة على استحقاقه وأنه حق ثابت وأجرته صحيحة۔[223]

آپ نے اپنے قول "کُلُ" (کھاؤ) کے بعد "اَکَلْتَ" (تم نے کھایا) ماضی کا لفظ استعمال فرمایا۔ یہ اسلوب دم کرنے والے کے استحقاق پر دلالت کرتا ہے، بے شک یہ ثابت حق اور صحیح اجرت ہے۔

خارجہ بن الصلت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی صحت

منکرین کے لئے اس حدیث کی صحت میں مندرجہ ذیل صرف ایک ہی شہادت کافی ہے۔ مشہور غیر مقلد مصنف قاضی شوکانی لکھتا ہے:

حديث خارجة أخرجه أيضا النسائي، وسكت عنه أبو داود والمنذري، ورجال إسناده رجال الصحيح إلا خارجة المذكور وقد وثقه ابن حبان وأخرجه أيضا ابن حبان والحاكم وصححاه۔[224]

حدیث خارجہ کو امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے اور امام ابوداؤد اور امام منذری نے اس پر سکوت فرمایا ہے، اس کی سند کے تمام راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں، ماسوا خارجہ مذکور کے۔ امام ابن حبان اور امام حاکم نے اس کی توثیق فرمائی ہے اور انہوں نے اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے۔

---

223 (عون المعبود، ج۹، ص۲۰۸)

224 (نیل الاوطار، ج۵، ص۳۸۰)

بعض زائغین نے بلا دلیل اور بلا حوالہ حضرت خارجہ کو ضعیف لکھا تھا لیکن حافظ الدنیا امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: خارجہ بن الصلت مقبول ہے۔[225]

امام ابو داوٗد، امام منذری، امام ابن حبان، امام حاکم، امام ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ تعالیٰ اور قاضی شوکانی کی توثیق کے بعد بعض زائغین (کیپٹن عثمانی) کے قول کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

دم اور تعویذ کی اجرت کے جواز پر تیسری حدیث

امام ابن ابی شیبہ لکھتے ہیں:

عن قيس بن أبي حازم قال أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم رجل فقال إني رقيت فلانا وكان به جنون فأعطيت قطيعا من غنم وإنما رقيته بالقرآن فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من أخذ برقية باطل فقد أخذت برقية حق۔[226]

قیس بن ابو حازم بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے فلاں کو دم کیا، اسے جنون تھا۔ مجھے اس کے عوض بکریوں کا ایک ریوڑ دیا گیا۔ میں نے اسے فقط قرآن سے دم کیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: لوگوں نے باطل دم پر اجرت حاصل کی، تم نے بلاشبہ جائز دم پر اجرت لی۔

دم اور تعویذ کی اجرت کے جواز پر چوتھی حدیث

امام ابن ابی شیبہ حضرت یعلیٰ بن مرہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں نکلا، ہمارا بعض راستوں میں ایک عورت

---

225 (تقریب التهذیب، ج ۱، ص ۱۴۷)

226 (مصنف ابن أبی شیبۃ، ج ۵، ص ۴۸، رقم الحدیث: ۲۳۵۷۸)

کے قریب سے گذر ہوا، جو بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ اس کا ایک بچہ تھا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! میرے اس بچے کے ساتھ کوئی بلا (آسیب وغیرہ) ہے اور اس کی وجہ سے (اس کے ساتھ) ہم بھی رنج میں ہیں۔ میں نہیں جانتی اس پر دن میں کتنی بار حملہ ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ بچہ مجھے پکڑاؤ۔ اس نے بچے کو آپ کی طرف کیا۔ آپ نے بچے کو اپنے اور اس کے درمیان رکھا، پھر اس کا منہ کھول کر اس میں تین مرتبہ پھونک ماری اور فرمایا: بِسْمِ اللّٰہِ، اَنَا عَبْدُ اللّٰہِ، اِخْسَ عَدُوَّ اللّٰہِ پھر بچہ عورت کو پکڑا دیا اور ارشاد فرمایا: واپسی پر اسی مقام پر ہم سے ملاقات کرنا اور بتلانا کہ تمہارے بچے کا کیا ہوا۔ حضرت یعلیٰ کہتے ہیں: پھر ہم چلے گئے اور دوبارہ جب واپس آئے تو وہ عورت وہاں موجود تھی اور اس کے ساتھ تین بکریاں تھیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: بچے کا حال سناؤ! اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، ہم نے تب سے اب تک کوئی تکلیف محسوس ہی نہیں کی۔ آپ یہ بکریاں قبول فرمائیں! آپ نے مجھے فرمایا: تم اترو اور ان میں سے ایک بکری لے لو، باقی واپس کر دو۔[227]

فائدہ: خارجہ بن الصلت کے چچا کا نام محدثین نے ”علاقہ بن صحار“ لکھا ہے۔

بعض زائغین نے دعویٰ کیا تھا کہ ”پورے سرمایۂ حدیث میں اس (خارجہ بن صلت کی حدیث) کے علاوہ اور کوئی حدیث ایسی نہیں جس سے معلوم ہو کہ کبھی اور بھی کسی صحابی نے ایسی اجرت لی ہے“۔ الحمد للہ! ہمیں اس پر چار احادیث دستیاب ہو گئیں اور خارجہ بن صلت کی حدیث کی صحت بھی ثابت ہو گئی۔

---

[227] (مصنف ابن ابی شیبة، ج۵، ص ۴۸، رقم الحدیث: ۲۳۵۷۹)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اس جواز سے کوئی شخص ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکے، مجھے اور تمام اہل اسلام کو ہر معاملہ میں افراط و تفریط سے محفوظ رکھے۔ آمین!

(انوار العرفان فی اسماء القرآن)

نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین القمي النیسابوري اپنی کتاب تفسیر نیسابوری میں لکھتے ہیں:

روي أن فرعون قبل أن ادعى الإلهية قصد أو أمر أن يكتب باسم الله على بابه الخارج، فلما ادعى الإلهية وأرسل الله إليه موسى ودعا فلم ير به أثر الرشد قال: إلهي كم أدعوه ولا أرى به خيرا، فقال تعالى: يا موسى لعلك تريد إهلاكه، أنت تنظر إلى كفره وأنا أنظر إلى ما كتبه على بابه. والنكتة أن من كتب هذه الكلمة على بابه الخارج صار آمنا من الهلاك وإن كان كافرا ايضًا أن نوحا صلى الله عليه وسلم لما ركب السفينة قال: بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖاهَا وَمُرْسٰاهَا [هود: 41] فنجا بنصف هذه الكلمة، فما ظنك بمن واظب على الكلمة طول عمره كيف يبقى محروما عن النجاة؟ وايضًا لما نزلت بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم على إبراهيم عليه السلام فتلاها وهو في كفة المنجنيق فجعل الله عليه النار بردا وسلاما۔

(تفسیر نیسابوری، ص ٦٩)

یہاں پر ہم چند تعویذات پیش کرتے ہیں:

برائے پیٹ درد

یہ تعویذ لکھ کر پلائیں:

۷۸۶

يا الله ع	يا الله ع	يا الله ع
يا الله ع	يا الله ع	يا الله ع
يا الله ع	يا الله ع	يا الله ع
يا الله ع	يا الله ع	يا الله ع

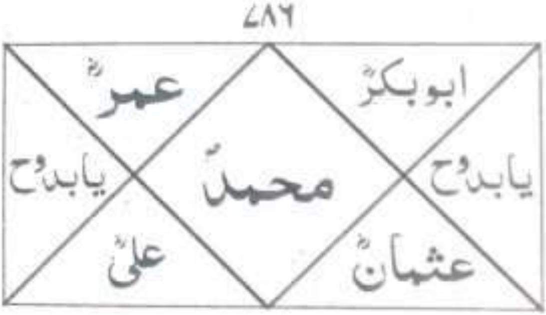
برائے ناف

یہ نقش لکھ کر مریض کے دائیں بازو پر باندھیں۔ ان شاء اللہ ناف اپنے مقام پر آجائے گی۔

یا اللہ یا رحمٰن	یا اللہ یا رحمٰن	یا اللہ یا رحمٰن
یا اللہ یا رحمٰن	مریض کا نام مع نام والدہ	یا اللہ یا رحمٰن
یا اللہ یا رحمٰن	یا اللہ یا رحمٰن	یا اللہ یا رحمٰن

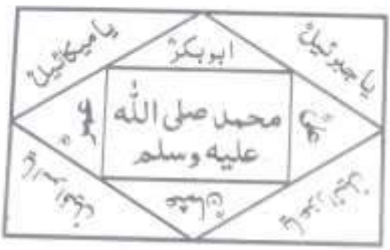
برائے دانت درد

یہ تعویذ درد والے دانتوں کے درمیان رکھیں۔



برائے یرقان

یہ تعویذ لکھ کر یرقان والے مریض کے گلے میں باندھیں۔



برائے آدھے سر کا درد

آدھے سر کے درد کے لئے یہ تعویذ درد والے حصے پر باندھیں۔

۷۸۶

یا محمد ﷺ	یا محمد ﷺ	یا محمد ﷺ
یا محمد ﷺ	یا محمد ﷺ	یا محمد ﷺ
یا محمد ﷺ	یا محمد ﷺ	یا محمد ﷺ

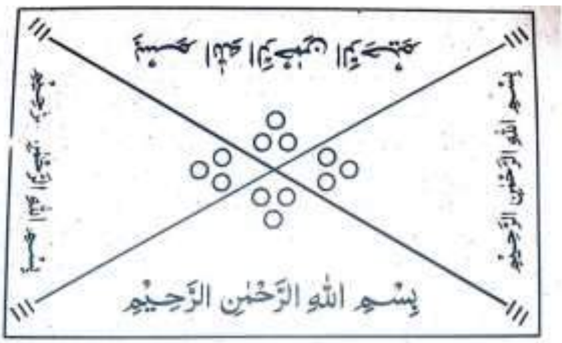
برائے سر درد

یہ لکھ کر سر پر باندھیں:

یا اللہ ج	یا اللہ ج	یا اللہ ج	یا اللہ ج
یا اللہ ج	یا اللہ ج	یا اللہ ج	یا اللہ ج
یا اللہ ج	یا اللہ ج	یا اللہ ج	یا اللہ ج
یا اللہ ج	یا اللہ ج	یا اللہ ج	یا اللہ ج

برائے سر درد

آدھے سر کے درد کے لئے یہ تعویذ لکھ کر باندھیں:



برائے بخار ہر قسم

ہر قسم کے بخار کے لئے یہ تعویذ لکھ کر مریض کے گلے میں پہنا دیں:

یا آدم علیہ السلام	یا حوا علیہا السلام	یا علی رضی اللہ عنہ	یا فاطمہ رضی اللہ عنہا
یا محمد ﷺ	یا عائشہ رضی اللہ عنہا	یا یوسف علیہ السلام	یا زلیخا رضی اللہ عنہا
یا صدیق رضی اللہ عنہ	یا عمر رضی اللہ عنہ	یا عثمان رضی اللہ عنہ	یا علی رضی اللہ عنہ
یا جبریل علیہ السلام	یا میکائیل علیہ السلام	یا اسرافیل علیہ السلام	یا عزرائیل

برائے بخار

جس شخص کو بخار کے ساتھ سردی بھی معلوم ہوتی ہو یہ نقش لکھ کر اس کے بازو پر باندھیں انشاء اللہ بخار اور جاڑا جاتا رہے گا:

۷۸۶

۵۶۹	۵۶۲	۵۶۷
۵۶۴	۵۶۶	۵۶۸
۵۶۵	۵۷۰	۵۶۳

برائے بخار

بخار والے مریض کو لکھ کر دیں۔ عورت بائیں بازو پر جبکہ مرد دائیں بازو پر باندھے، گلے میں بھی ڈالا جاسکتا ہے:

قلنا یا نار کونی بردا و سلاما علی ابراہیم ۔ اعوذ باللہ
[illegible]

برائے بخار

مندرجہ ذیل آیات لکھ کر مریض کے گلے میں ڈال دیں:

كٓهٰيٰعٓصٓ ۚ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۚ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اور یہ تعویذ پینے کے لیے دیں۔ روزانہ تین عدد تین یا سات دن تک۔

اللہ اللہ
یا محیط
اللہ

ہر قسم کی الرجی، جلدی بیماری کے لئے

یہ تعویذ پینے اور نہانے کے لئے دیں۔ مگر نہانے والے پر ۷۸۶ نہ لکھیں۔ دن میں جتنی مرتبہ نہانا ہو اتنے تعویذ استعمال کریں۔ کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ اکتالیس دن تک استعمال کرائیں:

۷۸۶

ل	ل	ل	ل	ل
ل	ل	ل	ل	ل
ل	ل	ل	ل	ل
ل	ل	ل	ل	ل
ل	ل	ل	ل	ل

اولاد نہ ہونا

اکتالیس عدد لونگ لیں، باوضو ہو کر یہ آیت ہر لونگ پر سات سات بار پڑھ کر دم کریں:

أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ (النور ۴۰)

رات سوتے وقت دونوں میاں بیوی ایک ایک لونگ کھائیں اور پانی نہ پئیں۔ ماہواری سے پاک ہو کر یہ عمل شروع کریں اور روزانہ مشغول وظیفہ ہوں۔ اللہ پاک کے حکم سے حمل ہو گا۔

حاصل کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ تعویذ بنانے یا لکھنے اور دم کرنے پر اجرت لینا، اس طرح قرآن پاک کے ختم پر اکل و شرب اور پیسے لینا بالکل جائز ہے، اور اس سے انکار کرنے والا پکا وہابی ہے۔

مفتی اعظم خیبر پختونخواہ مفتی شائستہ گل صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے:

الاکل والشرب بعد ختم القرآن کے اثبات کے بیان میں

قرآن خوانی کے بعد کھانا کھلانا

اور صاحب خانہ کا قرآن کریم ختم کرنے والوں کی نقدیات کی صورت میں خدمت کرنا

وجہ اول

ابن تیمیہ (اور اس کے حواری) اہل سنت پر اعتراض کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مرحومین کے ایصال ثواب کے لئے ختم قرآن کریم کر کے اس پر اجرت لینا نہ تو خلفاء راشدین کے دور میں تھا اور نہ

آئمہ اربعہ سے اباحت کا ذکر۔ نیز علماء نے کہا ہے کہ اجرت پر قرآن کریم پڑھنے والا خود اجر سے محروم ہے۔ تو مرحومین کو ایصال ثواب کا کیا فائدہ ہے۔

لہٰذا اجرت دینے والا، اور اجرت لینے والا دونوں ہی گنہگار ہیں۔

ابن تیمیہ الحرانی کے مندرجہ بالا اعتراضات، میں نے شامی کے مختلف مقامات سے جمع کر کے تلخیصاً بیان کر دیئے ہیں۔

آیئے اب میں مندرجہ بالا اعتراضات کا جواب دیتا ہوں۔

جواب

ابن تیمیہ الحرانی کے مندرجہ بالا اعتراضات کئی وجوہ کی بناء مردود ہیں۔

میں ابن تیمیہ الحرانی کے اقوال کا رد قرآن کریم کی آیات و احادیث رسول اللہ ﷺ اور علماء انام کے اقوال سے کروں گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔ قرآن کریم کی آیات و احادیث رسول اللہ ﷺ اور علماء انام کے اقوال سے جہاں میں ابن تیمیہ الحرانی کا رد بلیغ کروں گا انشاء اللہ اس کے ساتھ ہی وہ عادت مستمرہ جو مسلمانوں میں آج تک رائج ہے کا ثبوت بھی دوں گا۔

جواب سے قبل عادت مستمرہ جو مسلمانوں میں رائج ہے اس کی وضاحت ذکر کروں۔

عادت مستمرہ

عادت مستمرہ جو مسلمانوں میں رائج ہے۔ اس کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

- جب کوئی مسلمان بیمار ہو جائے۔
- یا کوئی مسلمان وفات پا جائے۔
- یا من جانب اللہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے۔

- یا رمضان کا مہینہ آئے تو ختم قرآن کے لئے۔
- مذکورہ بالا تمام صورتوں میں مسلمانوں کا عمل ہے کہ حفاظ، یا طلبہ کرام کو بلا کر ختم قرآن کریم کروا کر مریض کی صحتیابی کے لئے دعا کرواتے ہیں
- یا آفتوں اور مصائب و آلام کے دفعیہ کے لئے دعا کرواتے ہیں۔
- یا نماز تراویح میں ختم قرآن کے بعد جمیع مسلمانوں کے لئے دعا ہوتی ہے۔
- یا گھر میں خیر وبرکت کے لئے قرآن خوانی کروا کر دعائیں کروائی جاتی ہیں۔

پھر صاحب خانہ یا اراکین مساجد حفاظ یا طلبہ کی طعام یا نقدیات کی صورت میں خدمت کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ عادت مستمرہ ہے جو بحمدہ تعالیٰ مسلمانوں میں رائج ہے جو شرعاً محمود اور اجماع امت کے مطابق ہے۔ نیز یہ عادت مستمرہ قرآن کریم کی آیات اور احادیث رسول اللہ ﷺ اور علماء اعلام و مقتدیان انام، ہادیان امت، مصابیح ملتکے اقوال سے ثابت ہے۔

وجہ اول

اس عادت مستمرہ میں مسلمانوں کے لئے فوائد کثیرہ ہیں۔ مثلاً:

(۱) ایک تو صاحب خانہ کو خیرات و صدقات کا موقع میسر آتا ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ صاحب خانہ داعی الی الخیر ہوتا ہے، جو داعی الی الخیر ہو وہ بھی اجر و ثواب میں برابر کا شریک ہے۔

حضور پر نُور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں:

الدّالُّ علی الخیرِ کَفاعِلِہٖ[228]

نیکی بھلائی کا کام کرنے والا ایسا ہے جیسے کہ وہ نیکی اس نے خود کی۔

(۳) تیسرا یہ کہ صاحب خانہ کے لئے دعا ہوتی ہے۔

(۴) چوتھا تلاوت قرآن کریم کے وقت اس گھر میں اللہ تعالٰی کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں۔ حضور پر نور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: جس گھر میں قرآن کی تلاوت ہوتی اور اس گھر میں سکون اور اطمینان (رحمت الٰہی کا) نزول ہوتا ہے۔

(۵) نیز یہ طریقہ مسنونہ ہے، اور طریقہ مسنونہ پر عمل کرنا باعث اجر و ثواب ہے۔

(اچھا طریقہ ہے)

حضور پر نور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں:

من سن في الإسلام سنة حسنة فله أجرها و أجر من عمل بها بعده من غير أن ينقص من أجورهم شيء۔[229]

جس شخص نے اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کیا سو اسے اس کا اجر دیا جائے گا اس کے بعد جس نے اس پر عمل کیا اس کے اجر سے بھی موجد کو اس کا اجر ملے گا سوائے اس کے کہ عامل کے عمل میں کچھ کمی کی جائے (یعنی جو شخص اس رائج کردہ اچھے طریقے پر عمل کرے گا، اسے بھی اجر ملے گا اور اس کے اجر سے اس طریقے کو رائج کرنے والے کو بھی اجر دیا جائے گا، اس انداز سے کہ عامل کے اجر میں کچھ کمی واقع نہ ہوگی۔ مترجم)

---

[228] ابن حجر العسقلاني (ت ٨٥٢)، لسان الميزان ١٨٥/٦• [فيه] عمران بن يزيد مولى قريش قال العقيلي: يهم في الحديث• أخرجه الطحاوي في «شرح مشكل الآثار» (١٥٤٨)، و العقيلي في «اضعفاء الكبير» (٣٠٦/٣)، و الطبراني في «المعجم الأوسط» (٢٣٨٤)

[229] صحیح مسلم_1، ج ۲، ص ۴۰۵

میں کہتا ہوں کہ جس عمل خیر و کار خیر میں اتنے فوائد ہوں تو وہ یقیناً جائز ہے۔ الحمد للہ علی احسانہ۔

اما القرآن المجید

قرآن کریم کی آیات مبارکہ سے دلائل۔ کہ نیک کام پر اجرت لینا جائز ہے۔

وجہ دوم

طاعات پر اجرت لینے کی قرآن کریم سے دلیل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

هَلۡ جَزَاءُ الۡإِحۡسَانِ إِلَّا الۡإِحۡسَانُ (الرحمٰن ٦٠)

نیکی کا بدلہ کیا ہے مگر نیکی۔

دیکھئے دونوں جانب سے نیکی ہے یعنی طلبہ کا قرآن مجید پڑھنا، یہ بھی نیکی اور صاحب خانہ کی جانب سے حفاظ یا طلبہ دین کی خدمت کرنا یہ بھی نیکی، وہ خدمت کسی بھی صورت میں ہو کھانا کھلانے کی صورت میں ہو یا نقدیات کی صورت میں ہو۔

ثابت ہوا کہ نیکی کے بدلے اچھی جزا سے نوازنا قرآن سے ثابت۔

احسان جانبین سے ہوتا ہے جیسے استاد کا اپنے شاگردوں کو پڑھانا اور شاگردوں کا اپنے استاد سے مروۃ (استاد کا احترام و محبت) تو یہاں بھی جانبین سے احسان یعنی نیکی کا بدلہ ہے۔

ومروۃ المتعلمین فی مجازاۃ الاحسان بالاحسان من غیر شرط۔

اور شاگردوں کی مروۃ (استاد کا ادب و احترام و محبت) کسی شرط کے بغیر ہی بدل ہے۔ یعنی اس احسان کا بدل ہے جو احسان استاذ ان پر کر رہا ہے۔

وجہ سوم

طاعت پر اجرت لینے کے جواز میں قرآن کریم سے تیسری دلیل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَى رَبِّهِ سَبِيلًا (الفرقان ۵۷)

ترجمہ: تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر جو چاہے کہ اپنے رب کی طرف راہ لے۔

آیت مذکورہ بالا کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب تفسیر صاوی فرماتے ہیں:

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَيْ عَلَى تَبْلِيغِ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا لَكِنْ مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَى رَبِّه سَبِيلًا طَرِيقًا بِإِنْفَاقِ مَالِهِ فِي مَرْضَاته تَعَالَى فَلَا أَمْنَعُهُ۔ المعنی لا اطلب من اموالکم جعلا لنفسی لکن من شآء ان ینفق اموالہ لوجہ اللہ تعالیٰ طلبا لمرضاتہ فلیفعل۔[230]

قولہ (ای قول السیوطی، مترجم) (فی مرضاتہ) ای کا الصدقۃ وانفقۃ فی سبیل اللہ تعالیٰ، صاوی، (الفرقان ۵۷)

فرمادو میں (تبلیغ پر جس کے ساتھ بھیجا گیا ہوں) تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا (لیکن) جو چاہے، کہ اپنے رب کی طرف راہ لے اگر اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہوئے اپنے اموال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو میں اس سے منع نہیں کرتا اس آیت کا معنی یہ ہوا لا اطلب من اموالکم جعلا لنفسی۔ میں تمہارے اموال میں سے اپنے لئے کچھ طلب نہیں کرتا لیکن جو اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی طلب کرنا چاہے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔

---

[230] تفسیر الجلالین، ج ٦، ص ٣٣٣

صاحب تفسیر صاوی فرماتے ہیں کہ صاحب تفسیر جلالین کے اس قول (فی مرضاتہ تعالیٰ) کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رضاوخوشنودی حاصل کرنے کے لئے کوئی صدقہ کرے یا اللہ کی راہ میں اپنے مال کو خرچ کرے، تو جائز ہے کہ (فقیروں اور مسکینوں کو کھانا کھلا دے وغیرہ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔)

اعتراض

مگر جناب اللہ تعالیٰ نے تو اپنی کتاب کے بدلے کچھ لینے سے منع فرمایا ہے۔

دیکھئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ لَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰیٰتِیۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ۫ وَّ اِیَّایَ فَاتَّقُوۡنِ (۴۱) وَ لَا تَلۡبِسُوا الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَ تَکۡتُمُوا الۡحَقَّ وَ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ (البقرۃ ۴۲)

اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑے دام نہ لو اور مجھی سے ڈرو، اور حق سے باطل کو نہ ملاؤ اور دیدہ ودانستہ حق نہ چھپاؤ۔

جواب

میں کہتا ہوں کہ مفسرین کرام نے اس آیت کی جو تفسیر کی ہے ان کی تفسیر کی روشنی میں آیت مذکورہ بالا سے طاعات پر اجرت لینے کی حرمت کا استدلال قائم کرنا غلط ہے دیکھئے صاحب تفسیر خازن لکھتے ہیں اس آیت کا شان نزول یہ ہے۔

وذلک أن کعب بن الأشرف ورؤساء الیهود وعلماءهم کانوا یصیبون المآکل من سفلتهم وجهالهم وکانوا یأخذون منهم في کل سنة شیئاً معلوماً من زرعهم وثمارهم ونقودهم وضروعهم فخافوا إن بینوا صفة محمد صلی الله علیه وسلم وتابعوه أن تفوتهم تلک المآکل فغیروا نعته وکتموا اسمه۔

کہ یہ آیت کعب بن اشرف اور دوسرے رؤسا و علماء یہود کے حق میں نازل ہوئی جو اپنی قوم کے جاھلوں اور کم عقلوں سے مال وصول کیا کرتے تھے اور ان پر سالانہ کچھ (ٹیکس) مقرر کرتے تھے اور ان رؤسا نے ان کے پھلوں اور نقد مالوں میں اپنے حق معین کر لئے تھے، انہیں خدشہ کہ توریت میں جناب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی جو صفت و نعت ہے اگر ہم وہ صفت و نعت قوم پر ظاہر کریں تو قوم جناب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے گی، پھر ان کا کوئی پرسان حال نہ ہو گا، یہ تمام منافع ہاتھ سے جاتے رہیں گے، سو انہوں نے اپنی کتاب میں تغیر و تبدل کر لیا۔ اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی صفت و نعت کو بدل ڈالا، جب لوگ ان سے جناب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے اوصاف جمیلہ دریافت کرتے تو یہ لوگ (علماء م رؤسا و یہود) جناب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے اوصاف جمیلہ کو چھپا لیتے۔[231]

میں کہتا ہوں کہ معترض نے جو اعتراض کیا ہے وہ خود ہی اس میں پھنس گیا، ملاحظہ فرمائیں، مفسرین کی تفسیروں میں دو جملے ہیں۔

جملہ اول

(۱) (ان کعب بن الاشرف و رؤساء الیھود کانوا یعینون الماکل من سلفھم و جھالم و کانوا یاخذون منھم فی کل سنة شیئا معلوما من زروعھم و ثمارھم و نقودھم و ضروعھم)

کعب بن اشرف اور رؤسا یہود اپنی قوم کے بے وقوفوں اور جاہلوں سے سالانہ ان کے پھلوں اور نقدیات و دودھ میں سے اپنے متعین کردہ مقدار کے مطابق لیا کرتے تھے۔

ان دونوں عبارتوں میں ان جملوں پر غور کرو:

(۱) (کانوا یعینون الماکل)

[231] خازن و معالم والسراج منیر

(۲) (و کانوا یاخذون منھم فی کل سنۃ شیئا معلوما)

ان دونوں جملوں میں (یعینون اور یاخذون) دونوں فعل مضارع کے صیغے ہیں جو دوام و استمرار پر دلالت کرتے ہیں۔[232]

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ان دونوں صیغوں (یعینون اور یاخذون) سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ان کے دین میں شرط صریح کے ساتھ طاعات پر اجرت لینا جائز تھا۔

نیز معلوم ہوا کہ علماء ورؤساء یہود ان سے ہمیشہ مال، پھل اور نقدیات لیتے رہے۔

ان میں سے کسی نے منع نہ کیا، اور نہ ہی توریت میں ان کے اس عمل سے (طاعات کے بدلے جو مال وہ لیتے تھے) منع کیا گیا، اور نہ انجیل نے اس کی ممانعت کی اور نہ قرآن کریم میں طاعات پر اجرت لینے کی ممانعت آئی، جب یہ بات ثابت ہو گئی تو اس مسئلہ میں (شریعت من قبلنا شریعت لنا)

اگر پھر اعتراض کیا جائے کہ اگر آپ اس سے طاعات پر اجرت لینے کا جواز ثابت کر رہے ہیں تو پھر قرآن کریم میں یہ آیت کیوں آئی (ولا تشتروا بایٰتی ثمناً قلیلا۔ اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑے دام نہ لو)۔

اس کا جواب اسی آیت کی تفسیر میں دوسرے جملہ میں موجود ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

دوسرا جملہ

(فخافوا ان بینوا صفۃ محمد ﷺ و تابعوہ ان تفوتھم الماکل فغیروا نعتہ و کتموا اسمہ)

---

[232] شرح جامی قبیل المجموع، ص ۲۶۱، مختصر المعانی، ص ۱۸۱، ۱۸۲ و فتح القدیر ج ۱، امامت، ص ۲۴۳، کبیری امامت، ص ۵۷، شامی ج ۱

یہود و نصاریٰ اس بات سے ڈرے کہ اگر ہم (سیدنا) محمد ﷺ کی صفت و نعت کو ظاہر کریں گے اور ان کی اتباع کریں گے تو ہمارے تمام ماکل فوت ہو جائیں گے، سو انہوں نے حضور ﷺ کی صفت و نعت چھپادی اور نام بھی چھپادیا۔

یہ عبارت اس بات پر دلالت قطعیہ ہے کہ یہ ممانعت طاعات پر اجرت لینے کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اگر آیت میں غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس آیت میں پانچ ایسے مقامات موجود ہیں جو ممانعت و مذمت پر دال ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) لاتشتروا (۲) فاتقون (۳) ولاتلبسوا

(۴) وتکتموا (۵) وانتم تعلمون

سو معلوم ہوا کہ یہ ممانعت صرف حضور پر نور ﷺ کی صفت و نعت کو چھپانے کی وجہ سے ہے، ظاہر ہوا کہ اس آیت کو طاعات پر مال لینے کی دلیل پیش کرنا غلط ہے۔

بلکہ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت سے ہو رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ (البقرة ۷۹)

پس ہلاکت ہو ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے بدلے حاصل کریں دنیا کا تھوڑا دام، پس ہلاکت ہو ان کے لئے جو کچھ ان کے ہاتھوں نے لکھا، اور ہلاکت ہو ان کے لئے اس کمائی سے (جو انہوں نے کمایا)۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ آیت مذکورہ بالا میں جس شرا (آیت کے بدلے دنیا کا تھوڑا دام لینے پر جو وعید آئی ہے یہ اس بات کی صراحتاً قطعی دلیل ہے کہ یہ وعید اس وجہ سے تھی کہ وہ حضور پر نور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی صفت و نعت کو چھپاتے تھے۔

اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے تھے جیسے کہ آیت سے ظاہر ہو رہا ہے (یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ) وہ لوگ اپنے ہاتھوں سے لکھتے پھر کہتے یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ ممانعت طاعات پر اجرت لینے کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اس کی وجہ ان لوگوں کا حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی صفت و نعت کو چھپانا اور اللہ جل جلالہ پر جھوٹ کا افتراء باندھنا تھا۔

وجہ چہارم

طاعات پر اجرت لینے کے جواز میں قرآن کریم سے چوتھی دلیل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ کَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ وَمَنْ کَانَ فَقِیرًا فَلْیَأْکُلْ بِالْمَعْرُوفِ (النساء ٦)

اور جو مالدار ہو (اسے یتیم کے مال کی حاجت نہ ہو) وہ (یتیم کے مال سے) بچتا رہے اور جو تنگ دست ہو، وہ معروف طریقہ (دستور کے مطابق یتیم کے مال میں سے) کھائے۔

دیکھئے وہ شخص جو یتیم کی پرورش کر رہا ہے اور اس کے مال کا محافظ ہے، اس کے لئے یتیم کے مال میں سے لینا اور اپنے مصارف اور ضروریات پر خرچ کرنا جائز ہے۔ حالانکہ اگر یتیم کی پرورش، اور یتیم کے مال کی حفاظت، کچھ لئے بغیر ہوتی تو یتیم کو اپنا پورا مال مل جاتا۔ نیز آیات و احادیث سے یتیم کے ساتھ احسان کرنا اچھائی کرنا بہت بڑی نیکی ہے یعنی عظیم القربات میں سے ہے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے مال میں سے پرورش کرنے والے کو لے لینا اپنی ضروریات میں صرف کرنا اپنے استعمال میں

لانا جائز قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ طاعات پر اجرت لے لینا جائز ہے۔ حالانکہ یتیم کی پرورش کرنا اس کے مال کی حفاظت کرنا طاعات سے ہے پھر بھی ان کے مال سے کچھ لینا اور اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کا جواز اسی بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ طاعات پر اجرت لینا جائز ہے۔

ثابت ہوا کہ طاعات پر اجرت لینا جائز ہے۔

طاعات پر اجرت لینے کے جواز میں قرآن کریم سے پانچویں دلیل

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا (کھف ۷۷)

اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ مزدوری لیتے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے نیک کام کیا (گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دیا اسے گرنے سے بچایا) اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا (اے خضر اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ مزدوری لے لیتے) اگر نیک کام پر مزدوری لینا جائز نہ ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں کیونکر حضرت خضر علیہ السلام کو مزدوری لینے کی ترغیب دلاتے؟

ثابت ہوا کہ طاعات پر اجرت لینا جائز ہے۔

طاعات پر اجرت لینے کے جواز میں قرآن کریم سے چھٹی دلیل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ (الانفال ۱)

ترجمہ: پوچھتے ہیں آپ سے غنیمتوں کے بارے میں۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب بدر کا جہاد اختتام پزیر ہوا تو نوجوان اور ضعیف العمر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مال غنیمت کی تقسیم میں اختلاف پیدا ہوا اور بدمزگی کی نوبت آگئی۔ نوجوان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مدعا یہ تھا کہ ہم جوان ہیں کافروں مشرکوں سے ہم لڑتے ہیں لہٰذا غنیمت کا سارا مال ہمیں ملنا چاہیئے، ضعیف العمر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کہنا تھا کہ اگرچہ ہم مشرکوں سے لڑنے کے قابل نہیں مگر جہاد میں شریک اور تمہارے مددگار رہے لہٰذا مال غنیمت میں ہمیں بھی حصہ ملنا چاہیئے، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بات حضور پرنور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم تک پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت (جو اوپر ذکر کی گئی) نازل فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے معاملہ ہمارے ہاتھ سے نکال کر اپنے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے سپرد کیا آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے وہ مال برابر تقسیم کیا۔

دیکھا آپ نے کہ جہاد افضل الاعمال ہے اگر طاعات پر اجرت لینا ناجائز ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اتنا اصرار کیوں کرتے؟ ثابت ہوا کہ طاعات پر اجرت لینا جائز ہے۔

طاعات پر اجرت لینے کے جواز میں قرآن کریم سے ساتویں دلیل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا۔ (القصص ۲۵)

وہ کہنے لگی میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ وہ آپ کو مزدوری دیں اس کی جو آپ نے ہمارے (جانوروں) کو پانی پلایا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیاں جب اپنے مویشیوں کو پانی پلانے آئیں لوگوں کی بھیڑ دیکھ کر ایک طرف انتظار کرنے لگیں حضرت موسیٰ علیہ السلام لوگوں کی ناانصافی ملاحظہ فرما رہے تھے تشریف لائے اور ان کی بکریوں کو پانی پلایا۔ اور ایک طرف بیٹھ گئے، حضرت شعیب علیہ

السلام کی صاحبزادیاں جب اپنے گھر پہنچیں تو والد بزرگوار کو تمام واقعہ سنا دیا تو حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا جاؤ اسے بلا لاؤ۔ صاحبزادی (صفورہ) تشریف لائی اور موسیٰ علیہ السلام سے یوں کلام کیا(وہ کہنے لگی میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ وہ آپ کو مزدوری دیں اس کی جو آپ نے ہمارے جانوروں کو پانی پلایا)۔

دیکھئے اگر نیک کام پر اجرت حرام ہوتی تو حضرت شعیب علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اپنی صاحبزادی سے ہر گز یہ نہ فرماتے کہ جاؤ انہیں یہ کہو کہ میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ وہ آپ کو مزدوری دیں)

ثابت ہوا کہ طاعات پر اجرت لینا جائز ہے۔

طاعات پر اجرت لینے کے جواز میں قرآن کریم سے آٹھویں دلیل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (المدثر ٦)

(پیارے محبوب صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم) اور زیادہ لینے کی نیت سے کسی پر احسان نہ کرو۔

مفسرین نے جو تفسیر بیان کی ہے مثلاً تفسیر خازن وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔یعنی جیسے دنیا میں ہدیئے اور نیوتے دینے کا دستور ہے کہ دینے والا یہ خیال کرتا ہے کہ جس کو میں نے دیا ہے وہ اس سے زیادہ مجھے دے گا، اس قسم کے نیوتے اور ہدیئے شرعاً جائز ہیں مگر نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو اس سے منع کیا گیا کیونکہ شان نبوت و رسالت بہت ارفع و اعلیٰ ہے اور اس منصب عالی کے لائق یہی ہے کہ جس کو جو دیں وہ محض کرم ہو اسے لینے یا نفع حاصل کرنے کی نیت نہ ہو۔

دیکھا آپ نے کہ ہدیات و تحائف تو سنت پر عمل ہے مگر اس پر کچھ زیادہ لینے کی نیت اور زیادہ لے لینا جائز، جب تک تحائف دینا سنت پر عمل کرنے سے طاعات میں داخل ہے۔

ثابت ہوا کہ طاعات پر اجرت لینا جائز ہے۔

طاعات پر اجرت لینے کے جواز میں قرآن کریم سے آٹھویں دلیل

جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے بارشوں کا نزول ان سے روک دیا اور ان کی عورتوں کو بانجھ کر دیا چالیس سال تک ان کے مال مویشی ہلاک ہوئے، جب ان کا یہ حال ہوا تو حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں استغفار کا حکم دیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا (١٠) يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا (١١) وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا (نوح ١٢)

تو میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو بے شک وہ بڑا معاف فرمانے والا ہے، تم پر شرّاٹے کا مینہ (موسلا دھار بارش) بھیجے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لیے باغ بنا دے گا اور تمہارے لیے نہریں بنائے گا۔

دیکھئے استغفار بلاشبہ طاعات میں سے ہے اس کے بدلے انہیں مال ملنا، ان پر بارشوں کا نزول ہونا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ طاعات پر مال لینا جائز ہے۔

اسی طرح نماز استسقاء ہے کہ اس میں بھی دعائیں اور استغفار ہی تو ہے مگر اس کے بدلے کیا مانگا جا رہا ہے یہی کہ مال و مویشی ملے بارشوں کا نزول ہو، تاکہ قحط سالی ختم ہو، مال زیادہ ہو۔

ثابت ہوا کہ طاعات پر اجرت لینا جائز ہے۔

اما الاحادیث

وجہ چہارم

طاعات پر اجرت لینے کے جواز میں احادیث سے دلیل اول

عن أبی ھریرۃ عن النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- قال «ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ تعالی یتلون کتاب اللہ ویتدارسونہ بینھم إلا نزلت علیھم السکینۃ وغشیتھم الرحمۃ وحفتھم الملائکۃ وذکرھم اللہ فیمن عندہ۔[233]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا لوگ جب بھی اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں قرآن کریم کے درس و تدریس کے لئے جمع ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر سکون، اطمینان (قلبی) نازل فرماتا ہے۔ اور ان پر رحمت چھا جاتی ہے اور فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں، نیز اللہ تعالیٰ ان (نیک بندوں) کا ذکر اپنے ان بندوں میں کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔

وجہ پنجم

طاعات پر اجرت لینے کے جواز میں احادیث سے دوسری دلیل

فائدہ! حدیث ابن عباس لبیان الرخصۃ۔ فتح الودود۔ واشعۃ اللمعات و قال فیہ جواز أخذ الأجرۃ لقراءۃ القرآن وللتعلیم أیضا وللرقیا بہ أیضا لعموم اللفظ۔[234]

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو حدیث مروی ہے یہ رخصت کا بیان ہے (یعنی یہ حدیث دراصل قرآن کریم پر اجرت لینے کے جواز کے لئے دلیل ہے)۔

---

[233] سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۵۴۴

[234] عمدۃ القاري شرح صحیح البخاري، ج ۱۸، ص ۲۹۰

صاحب عینی فرماتے ہیں اس حدیث میں قرآن کریم پڑھنے اور پڑھانے اور تعویذات پر اجرت لینے کا جواز ہے کیونکہ اس میں عموم ہے (اس عموم کی بناء پر تمام طاعات پر اجرت لینا جائز ہے)

وجہ ششم

طاعات پر اجرت لینے کے جواز میں احادیث سے تیسری دلیل

عن عمرو بن سلمة انه ام قومه و كانت علي بردة كنت إذا سجدت تقلصت عني فقالت امرأة من الحي ألا تغطون عنا است قارئكم ؟ فاشتروا فقطعوا لي قميصا فما فرحت بشيء فرحي بذلک القمیص۔[235]

حضرت عمر بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی قوم کی امامت کرتا تھا اور میرے جسم پر ایک ہی چادر تھی، جب میں سجدہ میں جاتا (تو کبھی کبھار وہ چادر میرے جسم سے)] پھسل جاتی سو اس قبیلے کی ایک خاتون نے کہا (اے قوم) اپنے قاری کے اعضائے جسمانی ہم سے پوشیدہ رکھو سو انہوں نے (کپڑا لیا) اور (اس سے) میرے لئے قمیص بنالی، سو مجھے اس قمیص پر اتنی خوشی ہوئی کہ (اس سے قبل اتنی) خوشی کسی شے پر نہیں ہوئی تھی۔

ثابت ہوا کہ طاعات پر اجرت لینا جائز ہے۔

وجہ ہفتم

طاعات پر مال لینے کے جواز میں احادیث سے چوتھی دلیل

عن أبي سعيد رضي الله عنه قال : انطلق نفر من أصحاب النبي صلى الله عليه و سلم في سفرة سافروها حتى نزلوا على حي من أحياء العرب فاستضافوهم فأبوا أن يضيفوهم فلدغ

[235] صحیح البخاری، ج۴، ص ۱۵۶۴ ۔الناشر: دار ابن کثیر، الیمامۃ—بیروت، مشکاۃ المصابیح، ج ۱، ص ۱۷۶، صحیح مسلم، ج ۲، ص ۵۳۔دار الفکر بیروت لبنان

سید ذلک الحي فسعوا له بکل شيء لا ینفعه شيء فقال بعضهم لو أتیتم هؤلاء الرهط الذین نزلوا لعله أن یکون عند بعضهم شيء فأتوهم فقالوا یا أیها الرهط إن سیدنا لدغ وسعینا له بکل شيء لا ینفعه فهل عند أحد منکم من شيء؟ فقال بعضهم نعم والله إني لأرقي ولکن والله لقد استضفناکم فلم تضیفونا فما أنا براق لکم حتی تجعلوا لنا جعلا فصالحوهم علی قطیع من الغنم فانطلق یتفل علیه ویقرأ {الحمد لله رب العالمین} ـ فکأنما نشط من عقال فانطلق یمشي ومابه قلبة ـ قال فأوفوهم جعلهم الذي صالحوهم علیه فقال بعضهم اقسموا فقال الذي رقي لا تفعلوا حتی نأتي النبي صلی الله علیه و سلم فنذکر له الذي کان فننظر ما یأمرنا فقدموا علی رسول الله فذکروا له فقال (وما یدریک أنها رقیة) ـ ثم قال (قد أصبتم اقسموا واضربوا الي معکم سهما) ـ فضحک رسول الله صلی الله علیه و سلم ـ[236]

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پر نور ﷺ کے صحابہ ایک سفر میں تشریف لے گئے تھے، یہاں تک کہ عرب کے ایک قبیلہ پر اترے، انہوں نے چاہا کہ قبیلے والے ہماری مہمان نوازی کریں، لیکن قبیلے والوں نے مہمان نوازی نہ کی، اتفاق یہ کہ ان کے سردار کو بچھو یا سانپ نے کاٹ لیا، اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی، کچھ لوگ ان میں سے کہنے لگے: چلو ان لوگوں سے پوچھیں جو یہاں اترے ہیں، ان میں شاید کوئی اس کا دم (کرنا) جانتا ہو، وہ آئے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے کہنے لگے، ''لوگو!'' ہمارے سردار کو بچھو یا سانپ نے کاٹ کھایا ہے، اور ہم نے تمام طریقے (جتن) کئے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا، تم میں سے کسی کو اس کا منتر (دم کرنا) معلوم ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے کوئی بولا، اللہ کی قسم میں اس کا منتر (دم کرنا) جانتا ہوں، لیکن تم لوگوں سے ہم نے چاہا کہ ہماری مہمان نوازی کرو تو تم نے نہ مانا، اب میں تمہارے دم کرنے والا نہیں جب تک ہم کو اس کی مزدوری نہ دو، آخر چند بکریاں اجرت ٹھہریں، وہ

---

[236] صحیح البخاری، ج ۲، ص ۷۹۵ ـ الناشر: دار ابن کثیر، الیمامة - بیروت

صحابی گیا اور سورۃ الفاتحہ پڑھ کر (اس پر دم کیا) اور لعاب دہن لگاتا گیا، یہاں تک کہ وہ ایسا تندرست ہوا جیسے کوئی رسی سے باندھا گیا ہو اور کھول دیا جائے۔

اسی وقت چلنے پھرنے لگا، اسے کوئی تکلیف نہ رہی، جو بکریاں ٹھہریں وہ قبیلے والوں نے دیں، بعض صحابہ کہنے لگے ان کو بانٹ لو، لیکن جس نے دم کیا تھا، اس نے کہا ابھی ٹھہرو، ہم حضور پر نور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں اور آپ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کریں (یہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور پر نور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ بیان کیا) حضور پر نور ﷺ نے دم کرنے والے صحابی سے پوچھا، تجھے کیسے معلوم ہوا کہ سورۃ الفاتحہ منتر ہے (اس کے ساتھ دم کیا جاتا ہے اور مریض تندرست ہو جاتا ہے یہ تجھے کیسے معلوم ہوا) پھر حضور پر نور ﷺ نے فرمایا تم نے اچھا کیا، یہ بکریاں بانٹ لو، میرا بھی ایک حصہ اپنے ساتھ لگاؤ، اور آپ ﷺ مسکرائے۔

ثابت ہوا کہ طاعات پر اجرت لینا جائز ہے۔

وجہ ہشتم

طاعات پر اجرت لینے کے جواز میں احادیث سے پانچویں دلیل

عن سهل بن سعد قال: جاءت امرأة إلى رسول الله صلى الله عليه و سلم فقالت يا رسول الله إني قد وهبت لک من نفسي ۔ فقال رجل زوجنيها قال قد زوجناكها بما معک من القرآن۔[237]

سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہے یارسول اللہ ﷺ میں نے اپنی جان آپ کو بخش دی، تو ایک صحابی رسول نے

[237] صحیح البخاری، ج ۲، ص ۸۱۱۔ الناشر: دار ابن کثیر، الیمامة—بیروت، صحیح المسلم، سنن ابی داؤد، الترمذی

عرض کی، یارسول اللہ ﷺ اس کا نکاح مجھ سے کرادیں، سو حضور پر نور ﷺ نے فرمایا، تیرے پاس جتنا قرآن ہے اس کے عوض میں نے یہ تیرے نکاح میں دے دی۔

وجہ نہم

طاعات پر اجرت لینے کے جواز میں احادیث سے چھٹی دلیل

قال القاضی فیہ جواز اخذ الاجرۃ علی تعلیم القرآن وھو مذھب کافۃ العلماء۔[238]

حضرت قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کا جواز ثابت ہوا۔ اور یہ تمام علماء اعلام کا مذہب ہے۔

ثابت ہوا کہ طاعات پر اجرت لینا جائز ہے۔

وجہ دہم

طاعات پر اجرت لینے کے جواز میں احادیث سے ساتویں دلیل

وقال الحکم لم أسمع أحدا کرہ أجر المعلم۔[239]

حضرت حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے کسی سے نہیں سنا جس نے معلم کی اجرت مکروہ رکھی ہو۔

اس سے بھی ثابت ہوا کہ طاعات پر اجرت لینا جائز ہے۔

---

[238] عینی البخاری

[239] صحیح البخاری، ج ۲، ص ۷۹۵

وجہ یازدہم

طاعات پر اجرت لینے کے جواز میں احادیث سے آٹھویں دلیل

وأعطی الحسن دراھم عشرۃ۔[240]

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معلم کو اجرت میں دس ہزار درہم دیئے۔

ثابت ہوا کہ طاعات پر اجرت لینا جائز ہے۔

وجہ دوازدہم

طاعات پر اجرت لینے کے جوز میں احادیث سے نویں دلیل

ولم یر ابن سیرین بأسا باجر لقسام قال السحت الرشوۃ فی الحکم۔

حضرت ابن سرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقسیم کی اجرت کو برا نہیں سمجھا (وہ شخص جو مال غنیمت تقسیم کرتا ہو اور تقسیم کرنے میں جو محنت و مشقت ہوتی ہے اس کے بدلے اجرت لیتا ہو اسکے بدلے اجرت لینے کو حضرت ابن سرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برا نہ جانا) (اور سحت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ) سحت اسے کہتے ہیں کہ حاکم فیصلہ کرنے میں رشوت لے۔

ثابت ہوا کہ طاعات پر اجرت لینا جائز ہے۔

وجہ سیزدہم

طاعات پر اجرت لینے کے جواز میں احادیث سے دسویں دلیل

(و فی الحدیث) ان حسین بن علی بعث ابنہ علی بن الحسین زین العابدین الی عبدالرحمٰن السلمی لیعلمہ القرأن فعلمہ فاتحۃ الکتاب فقرأھا بین یدی ابیہ الحسین فارسل

240 صحیح البخاری، ج۲، ص۷۹۵

الیہ بعشر بدرات (جمع بدرۃ) ای بعشرۃ اٰلاف درھم ق بعشرۃ افراس و بعشرۃ نخوت من الثیاب، فقیل؟ بم استحق ھذا قال لہ لانہ علم ابنی فاتحۃ الکتاب وھی التی لم تنزل علی احد من لدن اٰدم الیٰ محمد علیھما الصلوٰۃ و السلام ولم تنزل علی جدی سورۃ افضل منھا فھذا الذی انقدت الیہ حقہ کذافی تفسیر حقی۔خزینۃ الاسرار (٦٧)

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے فرزند جناب زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عبدالرحمٰن سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گئے تاکہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں قرآن کریم پڑھا دیں، سو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سورۃ الفاتحۃ سکھا دی، پھر سیدنا زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے سورۃ الفاتحۃ پڑھی (سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے سے جب سورۃ الفاتحہ سنی تو) حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دس ہزار درہم اور دس گھوڑے اور دس جوڑے (کپڑوں کے) بھیج دیئے۔

تو (ایک سائل نے سوال کیا حضرت، جناب عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کس سبب سے (اتنے سارے مال کے) مستحق ہوئے؟

تو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

(اے سائل) جناب عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے صاحبزادے کو سورۃ الفاتحہ پڑھائی ہے (یہ اس کا عوض ہے)

(اور سنو) حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر میرے نانا جان جناب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ تک کسی (نبی علیہ السلام) پر میرے نانا جان ﷺ کے سوا سورۃ فاتحہ نازل نہیں ہوئی (یہ اعزاز

صرف اور صرف میرے ناناجان ﷺ کو حاصل ہے مزید بر آں) میرے ناناجان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اس سے افضل کوئی سورت نازل نہ ہوئی۔

(اے سائل میں نے اگر عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ دیا ہے تو) یہ اس کا حق ہے۔

ثابت ہوا کہ طاعات پر اجرت لینا جائز ہے۔

وجہ چہار دہم

اس سے پہلے کہ میں فقہاء کے اقوال و دلائل پیش کروں، یہ جاننا لازم ہے کہ طاعات پر مال لینے میں فقہاء کرام کے جو اقوال ہیں وہ آپ کے سامنے پیش کروں اور ہر قول پر ان کے دلائل پیش کروں، پھر ان کے اقوال میں تضاد کو رفع کر کے تطبیق پیش کروں گا۔ اور جن اقوال پر فی زمانہ فتویٰ ہے اور ظاہر الروایۃ ہیں ان کا ذکر کروں گا۔

قول اول

قول اول متقدمین مجتہدین کا ہے

(۱) وہ فرماتے ہیں کہ طاعات مع شروط کی صورت میں عقد اجارہ کا ایجاب و قبول موجب اجرت نہیں، کیونکہ اس صورت میں عقد اصلاً منعقد ہی نہیں ہوتا۔

اس قول کو علماء متقدمین نے ان الفاظ (لا یجوز الاستیجار و لا یجب الاجرۃ) سے تعبیر کیا ہے۔

قول ثانی

قول ثانی احناف متأخرین مجتہدین کا ہے

(۲) وہ فرماتے ہیں کہ طاعات پر اجرت دیناواجب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

قول اول و ثانی میں تضاد آگیا وہ یہ ہے کہ قول اول کے مطابق (طاعات مع شروط کی صورت میں عقد اجارہ کا ایجاب و قبول موجب اجرت نہیں)۔

جب کہ قول ثانی کے مطابق (طاعات پر اجرت دینا واجب ہے)

دونوں اقوال میں تطبیق اس طرح ہو گی۔

(۱) کہ جن دلائل سے تعلیم قرآن کریم و دیگر طاعات پر اجرت لینے کی نفی ثابت ہو رہی ہے وہ اجرت کے وجوب کی نفی پر محمول ہیں۔

(یعنی اجرت واجب نہیں، جائز ہے)۔

(۲) اور جن دلائل سے تعلیم قرآن کریم پر اجرت کا اثبات ہے وہ اجرت کے وجوب پر محمول ہیں۔ دونوں سے جواز ثابت ہوا لہٰذا تضاد (یعنی اختلاف نہ رہا)۔

قول ثالث

(۳) وہ فرماتے ہیں کہ طاعات پر اجارہ اگر قید مکانی یا قید زمانی کے ساتھ ہو تو ایسا اجارہ ان قیود کے ساتھ جائز ہے۔ اور اگر طاعات پر اجارہ قید مکانی یا قید زمانی کی قید سے مستثنیٰ ہو (یعنی اس اجارہ میں زمان یا مکان کی قید نہ ہو) تو پھر اجارہ ناجائز۔ کیونکہ پھر اجارہ نفس طاعت پر ہو گا۔

اور یہ ناجائز ہے۔

قول ثالث کا خلاصہ

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نفس تلاوت کا معاوضہ طے نہ کریں، بلکہ ان قیود (قید مکانی یا قید زمانی) کے بدلے میں معاقضہ لے تو جواز میں کوئی شک نہیں۔

قید مکانی سے مراد یہ ہے جیسے ایک شخص حافظ سے یا طالب علم سے کہے کہ میرے گھر یا فلاں دکان یا فلاں جگہ جاکر قرآن کریم کی تلاوت کریں۔

(قید زمانی) جیسے ایک شخص حافظ سے یا طالب علم سے کہے کہ فلاں مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے فلاں وقت قرآن کریم کی تلاوت کریں تو جب یہ قیود پائے گئے سو تالئ (قرآن کی تلاوت کرنے والا) اگر قیود مذکورہ کا معاوضہ لیتا ہے تو جائز ہے۔ (مترجم)

قول رابع

(۴) وہ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر اجارہ میں شرط کو صراحتاً ذکر کر دیا ہے تو پھر اجرت لینا منع ہے اور اگر اجارہ میں شرط کو صراحتاً ذکر نہ کیا ہو تو طاعات پر اجرت لینا جائز ہے۔

یعنی قول چہارم کے مطابق اگر شرط صراحتاً ذکر نہ کی ہو تو پھر طاعات پر مال لینا مباح ہے۔

اب ہر قول (نظریہ) کے ذکر کروں گا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

قول اول

قول اول متقدمین مجتہدین کا ہے

وہ فرماتے ہیں کہ طاعات مع شروط کی صورت میں عقد اجارہ کا ایجاب و قبول موجب اجرت نہیں، کیونکہ اس صورت میں عقد اصلاً منعقد ہی نہیں ہوتا۔

اس قول کو علماء متقدمین نے ان الفاظ (لا یجوز الاستجیار و لا یجب الاجرة) سے تعبیر کیا ہے۔

قول اول

طاعات مع شروط کی صورت میں عقد اجارہ کا ایجاب و قبول موجب اجرت نہیں، کیونکہ اس صورت میں عقد اصلاً منعقد ہی نہیں ہوتا۔

اس قول کو علماء متقدمین نے ان الفاظ (لا یجوز الاستجیار و لا یجب الاجرۃ) سے تعبیر کیا ہے۔

قول اول کے دلائل ملاحظہ فرمائیں

وفی الاصل (ای فی المبسوط) لایجوز الاستجیار علی الطاعات کتعلیم القرأن و الفقه و الاذان و التدریس و الحج و الغزو ای لایجب الاجرۃ۔[241]

مبسوط میں ہے کہ طاعات پر اجرت لینا جائز نہیں (طاعات کی چند مثالیں) جیسے قرآن کریم کی تعلیم، فقہ، آذان و تدریس، اور حج، جہاد وغیرہ پر اجرت لینا جائز نہیں (صاحب خلاصۃ الفتاوٰی فرماتے ہیں کہ مبسوط کی عبارت مذکورہ میں لا یجوز) سے مراد یہ ہے کہ یہ اجرۃ واجب نہیں۔ (لا یجب الاجرۃ)

صاحب فتاوٰی الحامدیۃ لکھتے ہیں:

قَالَ فِي الذَّخِيرَةِ وَلَا يَجُوزُ الِاسْتِئْجَارُ عَلَى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ ؛لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ الْحِسْبَةِ وَلَا تَجِبُ الْأُجْرَةُ عَلَى فِعْلِ الِاحْتِسَابِ وَالْفَتْوَى فِي زَمَانِنَا عَلَى وُجُوبِ الْأُجْرَةِ[242]

---

[241] خلاصۃ الفتاویٰ اجارہ جلد ۲ (۴۱۱) وعینی الهدایة جلد ۴، (۲۵۲) وعینی البخاری، وبلوغ الارب لذوی القرب لشرنبلاله ثم خزینة الاسرار (۲۶)

[242] العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية، ج ۲، ص ۱۲۶ ـ الناشر: دار المعرفة

صاحب فتاویٰ الحامدیۃ لکھتے ہیں کہ ذخیرہ میں ہے کہ تعلیم قرآن پر اجارہ جائز نہیں اس لئے کہ تعلیم قرآن حسنات میں سے ہے اور کسی بھی نیک کام پر اجرت واجب نہیں۔ مگر ہمارے زمانے میں فتویٰ اس بات پر ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لیناواجب ہے۔

صاحب صلوٰۃ مسعودی لکھتے ہیں:

باید دانست کہ اجارہ داری بر طاعت درست نیست بجواب کتاب (مبسوط) ھیچ واجب نیاید۔ (صلوٰۃ مسعودی)

صاحب صلوٰۃ المسعودی فرماتے ہیں کہ طاعات پر اجارہ درست نہیں (جس طرح کہ صاحب مبسوط نے) جواب میں فرمایاہے (کہ طاعات پر اجر لیناواجب نہیں)۔

میں کہتا ہوں کہ لا یجوز الاستجیار کا صحیح مطلب و مقصد یہی ہے کہ تعلیم قرآن پر اجارہ منعقد نہیں ہوتا۔

اجارہ کا انعقاد اور شئ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور اجرت کا جواز اور۔

صاحب شامی لکھتے ہیں:

الاصل ان کل طاعۃ یختص بھا المسلم لا یجوز الاستجیاز علیھا عندنا۔[243]

صاحب شامی فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ہر وہ طاعت جو مسلمانوں سے مختص ہیں ان پر اجارہ اصلاً جائز ہی نہیں۔

صاحب فتاویٰ عزیزی لکھتے ہیں:

قاعدہ اجارہ آنست کہ ھر شئی واجب و مندوب بر اجارہ منعقد نمے شود و تعلیم قرآن فرض بالکفایت است و مندوب علی الیقین پس محل اجارہ نیست۔[244]

---

[243] ھدایۃ وعینی الھدایۃ اجارہ، ج۵، ص ۲۵۲ وشامی اجارہ، ج۵، ص ۳۴

[244] فتاویٰ عزیزی، ج ۱، ص ۱۲۲

صاحب فتاویٰ عزیزی فرماتے ہیں اجارہ کا قاعدہ ہے کہ جو اشیاء واجب و مستحب ہیں ان پر اجارہ منعقد نہیں ہوتا چونکہ تعلیم قرآن کریم فرض کفایہ ہے اور علی الیقین مستحب ہے سو یہ محل اجارہ نہیں، یوں ہی تنویر الابصار کا یہ فرمانا (لا یصح الاجارۃ۔ اجارہ صحیح نہیں) سے مراد یہی ہے کہ اجارہ منعقد نہیں ہوتا۔

بحمدہ تعالیٰ قول اول کے دلائل میں بھی بظاہر جو تعارض پیش آرہا تھا وہ بھی رفع ہو گیا اور دلائل نفی/وجوب اجرت کی نفی پر محمول ہیں۔

طاعات پر عقد مصرح منعقد نہیں ہوتا

صاحب شرح الیاس لکھتے ہیں:

(۱) والمذهب عندنا ان كل طاعة يختص بها المسلم (اى ملة الاسلام) فالاستجيار على ذلك باطل۔[245]

صاحب شرح الیاس فرماتے ہیں (ایک قول ہے اور ایک مذہب سو) ہمارے نزدیک (قول نہیں بلکہ) مذہب یہ ہے کہ ہر وہ طاعت جو مسلمانوں سے مختص ہو اس پر اجارہ باطل ہے۔

صاحب المختصر و صاحب جامع الرموز لکھتے ہیں:

(۲) ولا يصح و تبطل الاجارة عند المتقدمين (للعبادات) المختصر و جامع الرموز، ج۳، اجارہ، ص ۳۶۰

صاحب المختصر و صاحب جامع الرموز فرماتے ہیں کہ متقدمین (امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) کے نزدیک عبادات پر اجارہ مصرحہ صحیح نہیں بلکہ باطل ہے۔ (یعنی یہ اجارہ باطل نہیں ہوتا)۔

---

[245] شرح الیاس، ج۳، اجارہ، ص ۱۳۶

حضرت ملا علی القاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

ثم قرأۃ القرأن و اھدائھا تطوعا بغیر اجرۃ ای مشروطۃ یصل الیہ۔

واما لو اوصٰی بان یعطی شئی من مالہ لمن یقرأ القرأن علی قبرہ فالوصیۃ باطلۃ ای غیر منعقدۃ فلا لزوم علی المستأجر ولا علی الاجیر۔

فبقی ھل جزاء الاحسان الا الاحسان لانہ فی معنی الاجرۃ کذا فی الاختیار۔

ثم رد بطلان الوصیۃ و معنی الاجرۃ بقولہ و ھذا مبنی علی القول المرجوح الذی ھو خلاف المفتی بہ عدم جواز الاستیجار علی الطاعات۔

ثم اظھر رد البطلان و معنی الاجرۃ ثانیا بطریق الاستدلال (بلفظ) لکن۔

لیعلم انہ من قبیل ھل جزاء الاحسان فقال، لکن اذا اعطیٰ لمن یقرأ القرأن و یعلمہ و یتعلمہ معونۃ لاھل القرأن علی ذلک کان ھذا من جنس الصدقۃ عنہ فیجوز شرح القاری للفقہ الاکبر، ص۱۵۷، ۱۵۸

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

کہ اگر قرآن کریم کی تلاوت بغیر اجرت (یعنی بغیر کسی شرط) کے کی جائے اور اس کا ثواب مرحوم کو بخشا جائے تو وہ ثواب مرحوم کو پہنچ جاتا ہے۔

اور اگر مرنے والے نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد جو شخص میری قبر پر قرآن کریم کی تلاوت کرے، تو یہ وصیت باطل ہے یعنی منعقد نہیں سو اجیر اور مستأجر پر کوئی شے لازم نہیں۔

رہا یہ سوال کہ پھر (ھل جزاء الاحسان الا الاحسان) کا کیا معنی ہو گا۔

(ملا علی قاری فرماتے ہیں اس کا جواب یہ ہے) کہ یہاں احسان اجرت کے معنی میں ہے۔ پھر (مصنف نے) اپنے اس قول (وھذا مبنی علی القول المرجوع الذی ھو خلاف المفتی بہ عدم جواز الاستیجار علی الطاعات) کے ساتھ وصیت کے بطلان اور (ھل جزاء الاحسان الا

الاحسان) کا معنی اجرت کرنے کو رد کیا، فرمایا کہ یہ قول مرجوع پر مبنی ہے، جو مفتٰی بقول کے خلاف ہے، کیونکہ مفتٰی بقول بہ قول یہ ہے کہ طاعات پر اجارہ جائز نہیں۔ پھر (فالوصیۃ الباطلۃ) وصیت کا بطلان اور هل جزاء الاحسان الا الاحسان کا معنی اجرت کرنے کو دوبارہ بطریق استدراک (لکن) کہہ کر ظاہر کیا تاکہ معلوم ہو کہ یہ اجرت هل جزاء الاحسان الا الاحسان کے قبیلے سے ہے۔

سو کہا کہ قرآن کریم پڑھنے اور پڑھانے والے کو اگر کچھ ہی دیا جائے تو یہ صدقہ ہے اور قرآن کریم پڑھنے، پڑھانے والوں کے ساتھ امداد ہے سو یہ صورت جائز ہے۔

فقہاء احناف کا دوسرا نظریہ

قول ثانی

قول ثانی احناف متأخرین و مجتہدین کا ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ طاعات پر اجرت دینا واجب ہے، سب نے اسی پر فتویٰ دیا ہے، احناف متأخرین، مجتہدین کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) حضرت عصام بن یوسف (۲) حضرت نصیر بن یحیٰ

(۳) حضرت ابی نصر بن اسلام

(۴) حضرت فقیہ ابو لیس السمرقندی (۵) حضرت صاحب محیط

(۶) حضرت امام الفضلی

(۷) حضرت صاحب خلاصۃ الفتاویٰ (۸) حضرت شیخ ظہیر الدین المرنائی

(۹) حضرت بلخ عموما

(۱۰) حضرت رکن الاسلام الکرمانی (۱۱) حضرت شمس الائمہ السرخسی

(۱۲) حضرت صاحب الذخیرہ

(۱۳) حضرت امام قاضی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

قول ثانی، وجہ پانزدہم

قول ثانی احناف متأخرین مجتہدین کا ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ طاعات پر اجرت دیناواجب ہے، سب نے اس پر فتویٰ دیا ہے۔

(۱) حضرت عصام بن یوسف (۲) حضرت نصیر بن یحیٰ

(۳) حضرت ابی نصر بن اسلام (۴) حضرت فقیہ ابو لیس السمرقندی

(۵) حضرت صاحب محیط (۶) حضرت امام الفضلی

(۷) حضرت صاحب خلاصۃ الفتاویٰ (۸) حضرت شیخ ظہیر الدین المرنائی

(۹) حضرت بلخ عموما (۱۰) حضرت رکن الاسلام الکرمانی

(۱۱) حضرت شمس الائمہ السرخسی (۱۲) حضرت صاحب الذخیرہ

(۱۳) حضرت امام قاضی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

معتبر کتب کی عبارات:

صاحب خلاصۃ الفتاویٰ لکھتے ہیں

(۳) وعند اهل المدينة ای امام مالک و اتباعه يجوز و به اخذ الشافعي و نصير عصام و ابو نصر و الفقيه ابو الليث۔[246]

---

[246] خلاصة الفتاویٰ، ج ۲، ص ۱۱۴، بلوغ الارب لذوی القرب للشرنبلالی، خزینة الاسرار، ص ٦٢، وعینی الهدایة، ج ۴، ص ٦٥٣

اہل مدینہ یعنی امام مالک اور ان کے پیروکاروں کے نزدیک طاعات پر اجارہ جائز ہے۔

امام شافعیؒ، نصیرؒ، عصامؒ، ابونصرؒ، اور فقیہ ابواللیثؒ نے اسی قول کو لیا ہے۔

جب یہ اجارہ جائز تو پھر اجارہ منوی، اور اجارہ معروف فی العرف بطریقۂ اولیٰ جائز ہوا۔

صاحب فتاویٰ حامدیہ لکھتے ہیں:

(۴)وَالْفَتْوَى فِي زَمَانِنَا عَلَى وُجُوبِ الْأُجْرَةِ۔[247]

ہمارے زمانے میں طاعات پر اجرت لینا واجب ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے (یعنی اگر طاعات پر اجرت لینے کا عقد کیا جائے تو اجرت دیناواجب ہوتا ہے)

صاحب خلاصۃ الفتاویٰ لکھتے ہیں:

(۵) ونقل عن رکن الاسلام الکرمانی انہ کان یکتب علی الفتویٰ! پدر صبی معلم راخوشنود کند! قال واستادنا الشیخ ظھیر الدین ھذا یکتب۔[248]

حضرت رکن الاسلام کرمانی جب بھی (اس مسئلہ میں فتویٰ دیتے) تو لکھتے کہ بچے کے والدین کو چاہئے کہ بچے کے استاد کو خوش کرے، نیز لکھا کہ ہمارے شیخ جناب ظہیر الدین بھی اسی طرح فتویٰ دیا کرتے تھے۔

صاحب خلاصۃ الفتاویٰ لکھتے ہیں:

(٦) ولو امتنع اب الصبی من اداء الوظیفۃ الی المعلم یجبر علی المراسم! چون حلوہ و پنج شبنی وعیدی، وقال فی المحیط وعلیہ الفتویٰ مشائخ بلخ۔[249]

---

[247] العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية، ج ٢، ص ١٢٦

[248] خلاصۃ الفتاویٰ، ج ٢، ص ١١٠

[249] خلاصۃ الفتاویٰ، ج ٢، ص ١١٠

اگر بچے کے والدین استاد کو ان کا وظیفہ دینے سے انکار کریں تو انہیں رواج کے مطابق دیگر تحائف دینے پر مجبور کیا جائے جیسے حلوہ اور پنج شنبی اور عیدی وغیرہ نیز محیط میں کہا گیا ہے کہ (وعلیہ الفتویٰ) اسی پر فتویٰ ہے۔

جب صریحاً عقد اجارہ کا وجوب ثابت تو پھر اجارہ منوی اور اجارہ معروف فی العرف بطریقہ اولیٰ جائز ہوا۔

صاحب تنویر الابصار لکھتے ہیں:

ویفتی الیوم بصحتھا ویجبر المستأجر علی دفع ما قبل ویحبس بہ ویجبر علی الحلوۃ المرسومۃ۔[250]

اس زمانے میں فتویٰ اسی پر ہے کہ طاعات پر اجارہ کا انعقاد صحیح (درست) ہے۔

اور مستاجر کو معین شدہ اجرت دینے پر مجبور کیا جائے گا، (اور اگر مستأجر اجرت دینے سے انکار کرے تو) اسے قید کر دیا جائے (حتیٰ کہ وہ اجرت دینے پر راضی ہو جائے) اور شاگرد کو اپنے استاد کے لئے شیرینی جیسے حلوہ جو رائج ہے دینے پر مجبور کیا جائے۔

صاحب عینی لکھتے ہیں:

(۸) وقال عبداللہ بن الفضل الامام الخیر اخریٰ یجوز فی زماننا للامام والمؤذن والمعلم اخذ الاجرۃ کذا فی الروضۃ۔[251]

امام عبد اللہ بن فضل الخیر اخریٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں امام، مؤذن اور معلم کے لئے قرآن کریم کے لئے اجرت لینا جائز ہے۔

---

[250] الدر المختار شرح تنویر الأبصار وجامع البحار، ج ۱، ص ۵۸۱

[251] عینی الھدایۃ، ج ۴، ص ۲۵۶

صاحب عینی لکھتے ہیں:

(۹) وذکر السرخسی مشائخ بلخ اختار واقوال اھل المدینۃ فی جواز استیجار المعلم علی تعلیم القرأن فنحن ایضا نفتی بالجواز۔[252]

حضرت امام شمس الائمہ السرخسیؒ نے فرمایا ہے کہ بلخ کے مشائخ نے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے پیروکاروں کے قول کو اختیار کیا ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ معلم کو قرآن کریم کی تعلیم پر اجرت دینا جائز ہے (مشائخ بلخ فرماتے ہیں کہ) ہم بھی اسی پر فتویٰ دیتے ہیں۔

صاحب عینی دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

(۱۰) وبعض مشائخنا أئمۃ بلخ استحسنو الاستیجار علیٰ تعلیم القرأن لظھور التوانی ای الفتور والکسل فی الامور الدینیۃ ففی الامتناع تضیع حفظ القرأن لان المتقدمین منعوا ذلک لرغبۃ الناس فی مجازات الاحسان بالاحسان بلاشرط وقد زال ذلک فی ھذا الزمان وقد یتغیر الجواب باختلاف الزمان فیفتی بذلک حتی یجبر علی دفع الاجر الی المعلم وان لم یضرب المدۃ یجب اجر المثل ویجبر علی دفعہ وکذا یجبر علی دفع الحلوۃ المرسومۃ وعلیہ الفتوٰی۔[253]

بلخ کے آئمہ اور مشائخ نے قرآن کریم کی تعلیم پر اجرت لینے کو اچھا جانا ہے کیونکہ (امور دینیہ) میں سستی ظاہر ہونے لگی، سو اجرت کی منع کی صورت میں قرآن کریم کے حفظ (ودیگر طاعات) کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، اگرچہ متقدمین علماء نے اجرت کو منع کیا تھا، مگر یہ ان کا زمانہ تھا کہ ان کے زمانے میں لوگ نیکی کا بدلہ نیکی سے بلا اجرت دیا کرتے تھے، جبکہ ہمارے زمانے میں وہ رغبت معدوم ہو چکی ہے، نیز حالات کے بدلنے سے مسائل میں بھی تبدیلی آتی ہے۔

---

[252] عینی الھدایۃ، ج۴، ص ۶۵۴

[253] عینی الھدایۃ، اجارہ جلد ۴، ص ۶۵۴، کفایۃ الھدایۃ والعتابیۃ والکافی والبحر۔

سو آج فتویٰ اس پر ہے کہ اگر (شاگرد نے پڑھنے کا) وقت معین کیا ہو تو اسے معلم کی اجرت دینے پر مجبور کیا جائے گا، اور اگر مدت معین نہ ہو تو پھر اجرت مثلی دیا جائے گا، (اجرت مثلی کا مطلب یہ ہے کہ اس علاقہ میں استاد کو مطلوبہ تعلیم پر جو کچھ دیا جاتا ہے اتنا ہی دینا پڑے گا)۔

بحمدہ تعالیٰ قول دوئم کے دلائل اثبات اور نفی میں بظاہر جو تعارض پیش آرہا تھا وہ بھی رفع ہو گیا وہ اس طرح کہ دلائل اثبات / اجرت کے اثبات پر محمول ہیں، اور دلائل نفی / وجوب اجرت کی نفی پر محمول ہیں۔

قول ثالث

(۳) وہ فرماتے ہیں کہ طاعات پر اجارہ اگر قید مکانی یا قید زمانی کے ساتھ مقید ہو تو ایسا اجارہ ان قیود کے ہوتے ہوئے جائز ہے۔ اور اگر طاعات پر اجارہ قید مکانی یا قید زمانی کی قید سے مستثنیٰ ہو (یعنی تعلیم پر اجارہ عقد اجارہ میں زمان و مکان کی قید نہ ہو) تو پھر وہ اجارہ ناجائز۔ کیونکہ پھر اجارہ نفس طاعات پر ہو گا اور یہ ناجائز ہے۔

قول ثالث کا خلاصہ

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نفس تلاوت کا معاوضہ طے نہ کریں بلکہ ان قیود (قیود مکانی، یا قید زمانی) کے بدلے میں معاوضہ لے تو جواز میں کوئی شک نہیں، قید مکانی سے مراد یہ ہے جیسے ایک شخص حافظ سے یا طالب علم سے کہے کہ میرے گھر یا فلاں دکان یا فلاں جگہ جا کر قرآن کریم کی تلاوت کریں، تو یہ قید مکانی ہے۔

(قید زمانی) جیسے ایک شخص حافظ سے یا طالب علم سے کہے کہ فلاں مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے فلاں وقت قرآن کی تلاوت کریں تو جب یہ قیود پائے گئے سو تالی (قرآن کی تلاوت کرنے والا) اگر قیود مذکورہ کا معاوضہ لیتا ہے تو جائز ہے، مترجم)

قول ثالث

اس ضمن میں فقہاء کا تیسرا نظریہ ہے کہ طاعات پر اجارہ اگر قید مکانی یا قید مکانی کے ساتھ مقید ہو تو ایسا اجارہ اگر قید مکانی یا قید زمانی کے ساتھ مقید ہو تو ایسا اجارہ ان قیود کے ساتھ جائز ہے، اور اگر طاعات پر اجارہ قید مکانی یا قید زمانی کی قید سے مستثنٰی ہو (یعنی تعلیم پر عقد اجارہ میں زمان یا مکان کی قید نہ ہو) تو پھر اجارہ ناجائز کیونکہ پھر اجارہ نفس طاعت پر ہو گا، اور یہ ناجائز ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نفس تلاوت کا معاوضہ طے نہ کریں بلکہ ان قیود (قید مکانی یا قید زمانی) کے بدلے میں معاوضہ لے تو جواز میں کوئی شک نہیں، قید مکانی کی وضاحت یوں ہے کہ جیسے ایک شخص سے یا طالب علم سے کہے کہ میرے گھر یا فلاں دکان یا فلاں جگہ جا کر قرآن کریم کی تلاوت کریں، یہ قید مکانی ہے۔

(قید زمانی) جیسے ایک شخص حافظ سے یا طالب علم سے کہے کہ فلاں مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے فلاں وقت قرآن کریم کی تلاوت کریں تو جب یہ قیود پائے گئے سو تالی (قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا) اگر قیود مذکورہ کا معاوضہ لیتا ہے تو جائز ہے، تعلیق مترجم)

وجہ شانزدہم

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من البینات والھدی) کے تحت لکھتے ہیں:

دراین جادقیقہ باید فھمید کہ اجرت بر نفس تعلیم حرام است امادر خانہ کسی قطع مسافتکردہ برائے تعلیم رفتن بااطفال راازصبح و شام درقید، داشتن عمل است ورأی تعلیم و درمقابلہ عمل اجرت گرفتن بلاشبہ حلال است۔[254]

یہاں ایک اہم مسئلہ سمجھنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ نفس تعلیم قرآن پر اجرت لینا حرام ہے، لیکن جب معلم مسافت بعیدہ طے کرکے شاگرد کے گھر جاتا ہے، یا بوں کو تعلیم قرآن کریم کے وقت (بمع اپنے آپ کے) پابند رکھتا ہے جو درحقیقیت دشوار عمل ہے۔ جو درحقیقت دشوار عمل ہے، سو اس عمل کے بدلے اجرت لینا بلاشک وشبہ جائز ہے۔

ان دلائل سے قول سوم کے درمیامن تعارض رفع ہو گیا، کیونکہ دلائل اثبات اس (منع پر) ہیں، محمول ہیں جسد عقد میں زمان ومکان کی قید ہو، ان قیودات کے ہوئے جائز ہے اجرت لینا جائز ہے۔ سو تعارض ختم ہوا۔

صاحب فتاویٰ عزیزی لکھتے ہیں:

(۲) آری درخانہ کسی رفتن و ازصبح تاشام نشستن و اطفال او راشبانی کردن فعلی وراءتعلیم است کہ ھر آن اجارہ منعقدمی تواند شد۔[255]

صاحب فتاوی عزیزی لکھتے ہیں کہ کسی مسلمان کے گھر جانا وہاں صبح سے شام تک (تعلیم قرآن کے لئے بیٹھنا) صاحب خانہ کے بچوں کو تعلیم قرآن کریم کے زیور سے آراستہ کرنا یہ تعلیم قرآن کے

---

[254] تفسیر عزیزی

[255] فتاویٰ عزیزی، ج ۱، ۲، ص ۲۲

علاوہ نہایت عظیم عمل مشقت ہے، سو اس پر اجارہ (اجرت لینا) چاہئے (یقیناً یہ اجرت تعلیم قرآن پر نہیں بلکہ اپنی محنت و مشقت کی جزا ہے کیونکہ وہ معلم اس وقت اگر معاش کے لئے کسب معاش کرتا تو اسے اجرت ضرور ملتی، سو یہ بھی مشقت ہے سو اس اجرت لینے میں کوئی حج نہیں۔ تعلیق، مترجم)

فقہاء احناف کا چوتھا نظریہ

قول چہارم

فقہاء احناف کا چوتھا نظریہ یہ ہے کہ عقد تعلیم قران ص طچ کریم میں (یا دیگر طاعات میں) اگر (معلم کی جانب سے) شرط صراحتاً ذکر کی جائے تو صراحتاً شرط ذکر کرنے سے (طاعات پر) اجرت لینا منع ہے، اور اگر صراحتاً شرط ذکر نہ کی جائے، تو پھر اجرت لینا جائز ہے۔

چوتھے نظریئے کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر صراحتاً شرط طے نہ کی جائے تو بلا شرط طاعات پر اجرت لینا مباح ہے۔

قول چہارم و وجہ ہفدہم

فقہاء کا قول چہارم (چوتھا نظریہ یہ ہے) کہ عقد تعلیم قرآن میں (یا دیگر طاعات میں) اگر (معلم کی جانب سے) شرط صراحتاً ذکر کی جائے، تو شرط صراحتاً ذکر کرنے سے (طاعات پر) اجرت لینا منع ہے، اور اگر صراحتاً شرط ذکر نہ کی جائے تو پھر اجرت لینا جائز ہے۔

چوتھے نظریئے کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر صراحتاً شرط طے نہ کی جائے تو بلا شرط طاعات پر اجرت لینا مباح ہے۔

حضرت علامہ شعبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

وَقَالَ الشَّعْبِيُّ لاَيَشْتَرِطُ الْمُعَلِّمُ إِلاَّ أَنْ يُعْطَى شَيْئًا فَلْيَقْبَلْهُ۔[256]

حضرت علامہ شعبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ معلم ازخود(تعلیم قرآن یادیگر طاعات) پر (اجرت لینے کی) شرط نہ لگائیں ہاں اگر (تعلیم قرآن یا دیگر طاعات) پر (متعلم کے والدین یاخود متعلم) کچھ ہدیہ پیش کرے تو معلم قبول کرے۔

صاحب عینی اس قول کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

(۲) قول الشعبی رحمہ اللہ تعالیٰ ھذا یدل علی ان اخذ الاجرۃ بالاشتراط لایجوز فان اعطی من غیر شرط فانہ یجوز لانہ اماھبۃ اوصدقۃ ولیس باجرۃ۔عینی البخاری۔

صاحب عینی علامہ شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول (لایشترط المعلم) کا مطلب یہ ہے کہ اگر شرط طے کرکے اجرت لی جائے سو اس صورت میں (اجرت لینا) جائز نہیں اور اگر شرط طے نہ کی جائے بلکہ (متعلم یا اس کے والدین معلم کو اپنی جانب سے اجرت دے دیں تو اس صورت میں)اجرت لینا جائز، کیونکہ (متعلم یا اس کے والدین کا ازخود معلم کو اجرت دے دینے سے اجرت کی ہیئت بدل گئی) اب یہ اجرت نہیں بلکہ ہبہ (بخشش) ہے، یا صدقہ ہے۔(اور یہ جائز ہے)

صاحب بستان العارفین لکھتے ہیں:

(۳) وان علم بغیر شرط واھدیٰ الیہ بہ قبل ھدیتہ فانہ یجوز فی قولھم جمیعا۔[257]

---

[256] صحیح البخاری ج۳ ص ۱۲۱ باب مَایُعْطَی فِي الرُّقْيَةِ عَلَى أَحْيَاءِ الْعَرَبِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ.

[257] بستان العارفین

صاحب بستان العارفین لکھتے ہیں

تمام علماءِ فقہ احناف کی رائے یہ ہے کہ اگر معلم بغیر کسی شرط کے متعلم کو پڑھائے پھر متعلم یا اس کے والدین معلم کو اپنی جانب سے جو چیز ہدیۃً پیش کریں تو معلم کو متعلم کا ہدیہ قبول کرنا چاہیئے۔

صاحب عینی البخاری رقمطراز ہیں

(۴) واصحابنا الحنفیۃ قائلون بھذا ایضاً۔ عینی البخاری۔

ہمارے ائمہ احناف (حضرت امام نعمان بن ثابت ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) اسی قول کے قائل ہیں (یعنی ان کے نزدیک بھی اجرت بلا شرط جائز ہے جس طرح شوافع ومالکی وحنابلہ قائل ہیں)

علامہ قاضی خان رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں

(۵) فان لم یشارطھم علی شئی لکن عرفوا حاجتہ فجمعوا الیہ فی کل وقت شیئا حسنا طیب لہ ذلک ولا یکون اجرا۔[258]

علامہ قاضی خان رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں (اگر معلم متعلمین کو پڑھائے اور متعلمین یا اس کے والدین سے) کوئی شرط طے کیے بغیر معلم کی ضروریاتِ زندگی کا علم ہونے کے بعد اگر (متعلمین یا اس کے والدین) مل جل کر تبرعات جمع کر کے معلم کی ضروریات زندگی پوری کرتے ہوں سو یہ نہایت بہتر اور احسن طریقہ ہے، اس صورت میں یہ تبرعات وعطیات اجرت شمار نہ ہوں گے (تو جواز میں کوئی شک نہ رہا)

---

[258] قاضی خان اذان ج ۱ ص ۳۸

صاحب البریقۃ لکھتے ہیں:

(۶) اذالم یکن عقدو لاشرط فقرء لروح المیت رضاءاللّٰہ تعالیٰ فاعطاہ قریب المیت شیئامن المال فجائز۔[259]

صاحب البریقۃ، شارح الطریقۃ المحمدیۃ لکھتے ہیں:

اگر کوئی مسلمان اللہ کی رضا و خوشنودی کے حصول کے لئے مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے قرآن کریم کی تلاوت کرے، پھر ورثاء قاریٔ قرآن کو اپنے اموال میں سے کچھ پیش کریں تو یہ جائز ہے۔

صاحب البحر الرائق رقمطراز ہیں:

وفي الْمُحِيطِ من كِتَابِ الِاسْتِحْسَانِ إذَا أَخَذَ الْمَالَ من غَيْرِ شَرْطٍ يُبَاحُ له۔[260]

صاحب البحر الرائق رقمطراز ہیں، محیط میں ہے کہ اگر کسی نے غنا (گانے) پر بغیر کسی شرط صریح کے اجرت لی تو گانے والے کو اس کا مال لینا مباح ہے۔

دیکھئے اگر بغیر کسی شرط صریح کے گانا گانے پر مال لینا مباح ہے، تو طاعات پر بغیر کسی شرط صریح کے اجرت لینا کیونکر ناجائز ہوگا، معلوم ہوا کہ طاعات پر بغیر شرط صریح کے اجرت لے لینا بطریق اولیٰ جائز ہے، نیز اس میں عرف اور نیت غیر معتبر ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس قول کے مطابق بھی تعارض رفع ہو گیا کیونکہ

(۱) دلائل اثبات ربلاشرط پر محمول ہیں (۲) اور دلائل نفی رشرط پر محمول ہیں۔

---

[259] البریقۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ

[260] البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج۸، ص ۲۳، قاضی خان، درمختار، جلد۵، ص ۳۴، الکبیری بنقل البحر

اعتراض

معترضین اعتراض کرتے ہیں کہ جناب قرآن کریم کی تلاوت تالی(تالی کا معنی ہے قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا) کا عمل اور اس کی سعی ہے اور ایک انسان کے عمل وسعی کا اجر وثواب اسی کو ملتا ہے جو عمل وسعی کرتا ہے نہ کہ دوسرے کو، سو جس نے قرآن خوانی کے لئے حفاظ یا طلبہ یا دیگر مسلمانوں کو جمع کیا اور قرآن خوانی کروائی اس کا اجر وثواب ان کو ہی ملے گا جنہوں نے تلاوت کی، صاحب خانہ کو اس کا کوئی اجر وثواب نہیں ملتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے(وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (النجم ۳۹))نہیں ہے انسان کے لئے مگر وہی جو اس نے سعی کی لہذا ایک کا عمل دوسرے کو مفید نہیں۔

اس اعتراض کے پانچ جوابات ہیں

(۱)پہلا جواب یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ منسوخ الحکم ہے،یعنی تلاوۃ باقی حکم منسوخ

(۲)دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ دواحادیث جو تفسیر خازن سے منقول ہیں۔

ان دواحادیث کے مطابق مرحومین کو صدقہ کا ثواب ملتاہے زندوں کا صدقہ مرحومین کے لئے نافع ہے۔اسی پر علماء کا اجماع ہے۔

(۳)تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیات میں انسان جو مذکور ہے اس انسان سے مراد کافر انسان مراد ہے نہ مسلمان اس لئے کہ مسلمان کے عمل خیر سے دوسرے مسلمان کو فائدہ پہنچتاہے دیکھیں اس کتاب کے گزشتہ اوراق میں۔(اموات کے لئے صدقات کے فوائد کا ثبوت احادیث کی روشنی میں)

(۴)چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ بات (زندوں کے عمل سے مردوں کو فائدہ نہیں پہنچتا) یہ ادیان سابقہ میں تھا ان کا دین ہے ہمارا نہیں دیکھیں تفسیر خازن و تفسیر صاوی بلکہ صاحب تفسیر خازن نے تو علماء اجماع کا تذکرہ فرمایا ملاحظہ فرمائیں۔

وفي الحديثين الآخرين دليل على أن الصدقة عن الميت تنفع الميت ويصله ثوابها۔ وهو إجماع العلماء۔

وكذلك أجمعوا على وصول الدعاء وقضاء الدين۔[261]

(۵)پانچواں جواب: حضرت عمر بن سلمٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث جن میں زندوں کے اعمال خیر کا ثواب مرحومین کو پہنچتا ہے عنقریب ذکر کروں گا وہی اس کا پانچواں جواب ہے۔

اعتراض

معترضین کا دوسرا اعتراض

جب قاری مال کے حصول کی نیت سے قرآن کریم کی تلاوت کرے تو اسے اجر ملنا محال ہے چونکہ برائے حصول مال اس نے یہ پڑھا ہے لہذا اس کا یہ عمل ہی باطل، پس وہ اگر میت کو ثواب بخشے گا تو مرحوم کو ثواب کیوں ملے گا۔

جواب: بحمدہ تعالیٰ میں اس اعتراض کے بھی پانچ جوابات دیتا ہوں۔

(۱)پہلا جواب یہ ہے کہ تیرا اس عمل کو باطل قرار دینا صرف تیرا قول ہے۔

(۲)بطلان کا قول نہ تو قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اسے باطل قرار دیا نہ تابعین میں سے کسی نے اس کو باطل کیا نہ طبقات ثلاثہ میں سے کسی طبقہ کے مجتہد نے اسے باطل کہا نہ اصحاب تخریج نے اس کو باطل قرار دیا نہ اصحاب ترجیح

[261] تفسیر خازن تحت الایۃ النجم ۳۹۔

نے اسے باطل کہا۔(توصرف تیرے باطل کہنے سے کیوں باطل ہوگا)ولکن الوھابیة قوم لایعلمون۔

دوسرا جواب حدیث سے

(۲) عن رافع بن خديج: العامِلُ على الصَّدَقةِ بالحَقِّ كالغازي في سَبيلِ اللهِ حتى يرجِعَ إلى بيتِه۔[262]

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زکوۃ وصول کرنے والا انصاف سے (زکوۃ کے وصول میں کسی پر زیادتی نہ کرے اور اچھا عمدہ مال چھانٹ کر نہ لے تو وہ عامل) ایسا ہے جیسا اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے والا جب تک اپنے گھر نہ لوٹے۔

دیکھئے ایک عامل (حکومت کی جانب سے زکوۃ جمع کرنے والا ایک تنخواہ دار جس کی ڈیوٹی مسلمانوں سے زکوۃ جمع کرنا ہے اور بیت المال میں لاکر جمع کرنا ہے وہ اپنی ڈیوٹی پر ہے گھر لوٹنے تک مجاہد کی طرح ہے)اجروثواب اس کو وہی مل رہاہے اور وہ جو کچھ کررہاہے ڈیوٹی پوری کررہاہے(پھر بھی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو اتنا ہی اجروثواب ملے گا جو ایک مجاہد کو مل رہاہے جبکہ وہ شخص اجرت پر کام کرنے والا ہے مگر ہے نیک کام خدمت خلق پر مامور ہے اجرت لینے کی وجہ سے وہ شخص اجر سے محروم نہیں اور نہ ہی اس کا نیک عمل باطل، جب اس کا عمل باطل نہیں وہ شخص جو قرآن کریم کی تلاوت کرے اس کی نیت مال کی ہو سو اس کا وہ عمل کیسے باطل ہو گیا اگر اس کے عمل کو باطل کہو گے تو عامل زکوۃ کے عمل اور اجروثواب کو بھی باطل

[262] أخرجه أبو داود (٢٩٣٦)، والترمذي (٦٤٥)، وابن ماجه (١٨٠٩) واللفظ لهم، وأحمد (١٧٣٢٤)

کہوگے جب اس کو باطل کہوگے تو اللہ کے نبی کریم ﷺ کے قول کو نعوذ باللہ باطل کہوگے اور جب نبی کریم ﷺ کے قول کو باطل کہا تو دائرہ اسلام سے خارج ہو جاؤ گے، تعلیق مترجم)

تیسرا جواب تفاسیر سے

علامہ صاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اس میں تمہارے لئے کوئی گناہ نہیں کہ تلاش (طلب) کرو اپنے رب کے فضل (رزق) کو (حج میں تجارت کے ذریعے، یہ حکم ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوا جو لوگ اس کو مکروہ سمجھتے تھے) یعنی اگر حاجی حج کے ایام میں تجارت بھی کرے تو جائز ہے بشرطیکہ افعال حج میں تجارت حائل نہ ہو، پھر سوال ہوا کہ حاجی جب حج کرے اور تجارت بھی تو آیا حج کے ثواب میں کوئی کمی واقع ہوئی یا نہ؟

سو اس کا جواب یہ ہے: (جواب تین شقوں پر مشتمل ہے)

شق نمبر (۱): اس کا اصل منشاء و مقصود صرف تجارت ہے۔

شق نمبر (۲): یا دونوں (یعنی حج و تجارت)

شق نمبر (۳): یا صرف حج

شق نمبر (۱) کی وضاحت

اگر اس کا مقصود و مطلوب و منشاء تجارت ہو (یعنی حج کو تابع تجارت بنایا، حج کو صرف ایک ذیلی اور ضمنی درجہ دیا) سو وہ حج جو اس پر فرض تھا وہ حاجی اپنی فرضیت سے تو بری الذمہ ہو گیا، مگر حج کا ثواب نہ ملا، یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کا حج کا ارادہ نہ ہو اور حج کے دن عرفات میں پہنچا اس کا حج تو، فرض حج سے اس کا ذمہ فارغ ہو گیا مگر حج کا ثواب نہ ملا۔

شق نمبر (۲) یا دونوں، (یعنی حج و تجارت کی وضاحت)

اور اگر دونوں مساوی درجہ میں ہیں تو یقیناً مباح اور منافی اخلاص میں بھی برابر رہیں گے، کیونکہ دلوں کا حال تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو عالم الغیب ہے۔

شق نمبر (۳) یا صرف حج کی وضاحت

اور اگر ارادہ صرف حج کا ہو اور تجارت حج کے تابع ہو (یعنی تجارت کو حج کے تابع بنایا، اس طرح کہ ارادہ صرف حج کا کیا اور ساتھ ساتھ تجارت بھی کرنے لگا جیسے کوئی حاجی حالت احرام میں عرفات کے دن حاجیوں کے کھانے پینے کی اشیاء فروخت کرنے لگے یا منیٰ و مزدلفہ میں حالت احرام میں ہی کچھ اشیاء خریدے اور بیچے) تو اس صورت میں اسے دنیا اور آخرت دونوں مل گئے، (یعنی تجارت کے ذریعہ اس کو دنیا مل گئی اور حج کے ذریعہ بروز حشر جہنم سے محفوظ ہوا، تعلیق مترجم)

تمام شقوں پر غور کرنے کے بعد سمجھو کہ جب نیت حج اور تجارت کی تھی یا صرف حج کی دونوں صورتوں میں وہ حاجی نہ حج سے محروم اور نہ تجارت کرنے سے اس کا عمل حج باطل، دونوں صحیح۔ دیکھئے اس کا ارادہ حج کا بھی ہے جو فرض عبادات میں سے ہے اور تجارت کا ارادہ بھی ہے جس کے ذریعہ مال بھی ملے گا تو کیا اس کا حج باطل ہو گیا یا نہیں؟ سو جب تجارت سے اس کا حج باطل نہ ہوا تو اگر کوئی قرآن کریم کی تلاوت کرے اور نیت مال کی ہو تو اس کا یہ عمل کیونکر باطل ہوا؟ تعلیق مترجم

چوتھا جواب

صاحب مرقات لکھتے ہیں:

(۴) غزا اللہ ولم یقصد الغنیمة لقوله تعالى منكم من يريد الدنيا أي الغنيمة أيضا ومنكم من يريد الآخرة أي الأجر فقط مرقات۔[263]

صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ جب ایک شخص جہاد کرتا ہے اور نیت غنیمت کے حصول کی کرتا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کو اجر ملے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے (منكم من يريد الدنيا) تم میں بعض وہ ہیں جو دنیا چاہتے ہیں (یعنی مال غنیمت بھی) (ومنكم من يريد الآخرة) اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو آخرت چاہتے ہیں۔

(غور فرمایا آپ نے کہ ایک شخص جہاد کر رہا ہے جو عبادت ہے اور نیت مال غنیمت کے حصول کی ہے تو فرمایا گیا (فلا شک ان له اجر) اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کو اجر ملے گا جب مجاہد جس کی نیت مال غنیمت کے حصول کی ہے پھر بھی اس کا یہ نیک عمل باطل نہیں تو اگر ایک شخص قرآن کریم کی تلاوت کرے جو یقیناً نیک کام ہے مگر اس کی نیت مال کے حصول کی ہے سو اس کا نیک عمل کیونکر باطل ہوگا؟ جیسے اس کا عمل اس نیت سے باطل نہیں اسی طرح تالیٔ قرآن کا عمل اس نیت سے باطل نہ ہوگا، تعلیق مترجم)

پانچواں جواب حدیث مرفوع سے

(۵) من قرأ سورةَ الواقعةِ في ليلةٍ لم تُصِبهُ فاقةٌ أبدًا.

حضور پرنور ﷺ فرماتے ہیں جو شخص ہر رات سورۃ الواقعۃ کی تلاوت کرے گا اسے کبھی فاقہ نہ ہوگا۔

---

[263] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج ۱۱، ص ۴۷۹

(غور فرمائیں کہ حضور پر نور ﷺ نے فاقوں سے بچنے کے لئے سورۃ الواقعہ کا وظیفہ ارشاد فرمایا اب اگر کوئی فاقہ زدہ یہ سورۃ اس نیت سے پڑھتا ہے کہ مجھے مال ملے تا کہ میرا فاقہ ختم ہو جائے اور مال مل جائے تو کیا وہ سورۃ الواقعہ کے پڑھنے کے اجر و ثواب سے محروم ہو گیا؟ نہیں محروم نہ ہوا اور نہ ہی مال ملنے کی نیت کی بناء پر اس کا عمل باطل ہوا بلکہ دنیا کا مال بھی ملا فاقے بھی ختم ہوئے اور آخرت کا ثواب بھی ملے گا، ہم خرمہ ہم ثواب، جب سورۃ الواقعہ کو مال ملنے کی نیت سے پڑھنے کی بناء پر اس کا عمل باطل نہ ہوا تو پورا قرآن کریم اگر مال کی نیت سے پڑھا جائے تو تالی کا یہ نیک عمل کیونکر باطل ہو گا؟ تعلیق مترجم)

اعتراض

آخِرُ ما عَهِدَ إليّ رَسولُ الله ﷺ الیٰ عثمان بن أبي العاص الثقفي أتَّخِذَ المؤذّنًا لا يأخُذُ على أذانِه أجرًا۔ [264]

حضور پر نور ﷺ نے عمر کے آخری حصے میں حضرت عثمان بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا (عثمان) ایسا مؤذن مقرر کر جو اذان پر اجرت نہ لے۔

جناب والا، اذان نیک عمل ہے، اگر نیک عمل پر اجرت لینا جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ حضرت عثمان بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسے مؤذن رکھنے سے کیوں منع فرماتے جو اذان پر اجرت لے؟

[264] شعیب الأرنؤوط (ت ١٤٣٨)، تخريج مشكل الآثار ٦٠٠٠ إسناده صحيح على شرط مسلم

اعتراض (۲)

قال رسول اللہ ﷺ اقرَءُوا القُرآنَ و لاتَأكُلوا به[265]

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کریم پڑھو مگر قرآن کے ساتھ کھاؤ نہیں۔

معلوم ہوا کہ نیک عمل پر کچھ لے لینا جائز نہیں، ورنہ رسول اللہ ﷺ قرآن کریم پڑھنے پر کھانے سے منع نہ فرماتے۔(قرآن پر کھاؤ نہیں یعنی قرآن کریم پڑھ کر)۔

تین جوابات

هذا تهديد على فوت العزيمة و الإخلاص و حديث ابن عباس من كان لبيان الرخصة[266]

پہلا جواب یہ ہے کہ یہ منع فوت عزیمۃ اور اخلاص کے لئے ہے اور سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بیان رخصت کے لئے ہے۔

دوسرا جواب

علامہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

(۲) عبادت تعلیم حسبۃ اللہ تعالیٰ کردہ بود، پس مکروہ پنداشت کہ ضائع شود۔ اخلاص او و فوت شود عمل او بعزیمۃ و آنچہ بالا گزشتہ بیان رخصت بود۔[267]

علامہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تعلیم عبادت الٰہی ہے سو کیسے ہو سکتا ہے کہ عزیمت کی وجہ سے اس کا اخلاص ضائع ہو جائے اور اس کا عمل فوت ہو جائے اور وہ جو پہلے گزرا وہ بیان رخصت ہے۔

---

[265] ابن عبد البر (ت ٤٦٤)، الاستذكار ٤/٤٢٠ • مرفوع ضعيف • أخرجه أحمد (١٥٥٧٤)، و أبو يعلى (١٥١٨)، و الطحاوي في «شرح معاني الآثار» (٤٢٩٦) باختلاف يسير

[266] فتح الودود في شرح سنن أبي داود، ج ٣، ص ٥٣٥

[267] اشعة اللمعات

تیسرا جواب

عن عمرو بن سلمة و كانت علي بردة كنت إذا سجدت تقلصت عني فقالت امرأة من الحي ألا تغطون عنا است قارئكم ؟ فاشتروا فقطعوا لي قميصا فما فرحت بشيء فرحي بذلک القميص۔[268]

حضرت عمر بن سلمہ رضہ اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں (صغر سنی میں) قوم کا امام بنا، میں ان کی امامت کرتا تھا (غربت کی بنا) میرے جسم پر (صرف) ایک چادر تھی جب میں سجدہ کرتا تو وہ چادر میرے جسم سے پھسل جاتی (جس کی وجہ سے کچھ اعضائے بدنیہ ظاہر ہوتے) سو اس قبیلے کی ایک خاتون نے (قوم سے) کہا کہ تم اپنے امام کے اعضاء کیوں نہیں ڈھانپتے ہو، سو (قوم) نے میرے لئے قمیص کا کپڑا خرید کر اس سے میرے لئے قمیص سلوائی، مجھے اس قمیص سے اتنی خوشی حاصل ہوئی کہ اتنی خوشی مجھے کسی چیز سے حاصل نہ ہوئی تھی۔

دیکھئے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے امام کو قمیص امامت کی وجہ سے دی حالانکہ امامت طاعات میں سے اعظم الطاعات ہے، صحابی قبول کرتا ہے اور خوشی کا اظہار کرتا ہے۔ اگر طاعات پر کچھ لینا منع ہوتا تو یہ صحابہ اسے قمیص کیوں دیتے اور وہ صحابی اس پر خوشی کا اظہار کیوں کرتا۔

اعتراض

فهذا مجموع ما أفتى به المتأخرون من مشايخنا وهم البلخيون على خلاف في بعضه مخالفين ما ذهب إليه الإمام وصاحباه۔[269]

---

[268] صحيح البخاري، ج۴، ص ۱۵۶۴ ۔ صحيح مسلم، نسائی

[269] ردالمحتار على الدر المختار، ج۶، ص ۵۶

وہ مسائل مجموعی جن کے (جواز پر) ہمارے مشائخ میں سے علماء احناف بلخ نے جو فتویٰ دیا ہے (کہ یہ جائز ہیں) جبکہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صاحبین (ابو یوسف، و محمد رحمہم اللہ تعالیٰ) اس کے خلاف ہیں (یعنی ہمارے آئمہ ثلاثہ نے اس کے برعکس فتویٰ دیا)۔

میں کئی وجوہ سے اس کا جواب دیتا ہوں

وجہ اول

پہلا جواب یہ ہے کہ شامی کا فرمانا (فھذا مجموع ما أفتی به المتأخرون) صحیح نہیں، کیونکہ (مجموع) لفظ مجموع، تعلیم القرآن، فقہ، امامت، اذان، تکبیر، وعظ، تبشیر، وانذار سب کو شامل ہے، یہ کہہ کر معترض (اعتراض کرنے والا) تلاوت مجردہ (صرف تلاوت قرآن) جو درحقیقت مفتیٰ بہ قول ہے (یعنی جس کے جواز پر فتویٰ دیا گیا ہے) سو معترض اپنے اس قول (مجموع) کے ساتھ مفتیٰ بہ قول کو بھی خارج کر رہا ہے، میں کہتا ہوں کہ معترض کا مقصود و مطلوب سراسر غلط ہے، کیونکہ تلاوت مجردہ قبروں کے پاس بقول مختار جائز ہے۔

آنے والے دلائل میں کثیر التعداد فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے معترض کے قول کا (یجوز وھو المختار کہہ کر) رد کیا ہے۔

وجہ دوم

دوسرا جواب یہ ہے کہ مشائخ متاخرین احناف صرف بلخی تو نہیں، جبکہ معترض (المتاخرون من مشائخنا وھم البلخیون) کہکر یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ مشائخ متاخرین احناف صرف بلخی ہیں یہ غلط ہے یہ حصر صحیح نہیں، کیونکہ متأخرین علماء احناف میں بھی کوئی بھی مخالف نہیں، دیکھئے قول ثانی، جو پہلے گزر چکا ہے (سب نے اسی پر فتویٰ دیا ہے کہ طاعات پر اجرت دینا واجب ہے۔)

احناف متاخرین مجتہدین کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱)حضرت عصام بن یوسف۔

(۲)حضرت نصیر بن یحییٰ۔

(۳)حضرت ابی نصر بن سلام۔

(۴)حضرت فقیہ ابو اللیث السمرقندی۔

(۵)حضرت صاحب محیط۔

(۶)حضرت امام الفضلی۔

(۷)حضرت صاحب خلاصۃ الفتاویٰ۔

(۸)حضرت شیخ ظہیر الدین المرغینانی۔

(۹)حضرات بلخ عموماً

(۱۰)حضرت رکن الاسلام الکرمانی

(۱۱)حضرت شمس الائمہ السرخسی

(۱۲)حضرت صاحب الذخیرہ

(۱۳)حضرت امام قاضی خان رحمہم اللہ تعالیٰ

فتذکر وتدبر، سوائے معترض اسے یاد کر اور اس میں غور و فکر کر۔

وجہ سوم

وجہ سوم یہ ہے، مخالفین کا طنزاً وطعناً یہ کہنا (**لما ذھب الیہ الامام و صاحباہ**) غلط ہے، کیونکہ بعض مسائل میں متأخرین نے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مخالفین کو ترجیح دی ہے، در مختار اور

شامی کے مقدمہ میں موجود منقول ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے متأخرین مجتہدین کو اس بات کی اجازت دی ہے نیز اس قول (لما ذھب الیہ الامام و صاحباہ) کے تسلیم کرنے سے مجتہدین اور اصحاب تخریج کو دین کے کام سے روکنا ہے۔

وجہ چہارم

وجہ چہارم یہ ہے! متقدمین کے قول لا یجوز الاستجیار سے یہ سمجھنا کہ اس سے مراد لا یجب الاجرۃ ہے، غلط ہے، کیونکہ متقدمین کے اس قول کا صحیح مطلب اخذ الاجرۃ ہے، اور متاخرین کا فتویٰ وجوب الاجرۃ پر ہے، سو وجوب الاجرۃ، اخذ الاجرۃ کے جواز کو شامل ہو گیا۔

اعتراض

صاحب شامی لکھتے ہیں:

ظھر لک بھذا عدم صحۃ ما في الجوھرۃ من قولہ واختلفوا في الاستئجار علی قراءۃ القرآن مدۃ معلومۃ۔

قال بعضھم: لا یجوز: وقال بعضھم: یجوز وھو المختار اھـ والصواب أن یقال علی تعلیم القرآن، فإن الخلاف فیہ کما علمت لا في القراءۃ المجردۃ فإنہ لا ضرورۃ فیھا، فإن کان مافي الجوھرۃ سبق قلم فلا کلام، وإن کان عن عمد فھو مخالف لکلامھم قاطبۃ فلا یقبل۔[270]

صاحب جوہرہ نے کہا ہے کہ اگر کسی نے ایک متعین کردہ مدت تک قرآن کریم کی تلاوت کرنے کے لئے کسی کو متعین کیا تو (تعین مدت کی وجہ سے تالی قرآن کو) تلاوت قرآن پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

---

[270] ردالمحتار علی الدر المختار، ج٦، ص٥٦

(سو، صاحب الجوھرۃ النیرۃ نے کہا)

اس میں علماء احناف کی دو رائے ہیں:

ایک گروہ کہتا ہے اس صورت میں اجرت لینا جائز نہیں، (قال بعضھم لا یجوز)

اور دوسرا گروہ کہتا ہے اس صورت میں اجرت لینا جائز ہے، (وقال بعضھم یجوز)

البتہ دونوں میں مختار مذہب کون سا ہے

(تو صاحب الجوھرۃ النیرۃ فرماتے ہیں) دونوں اقوال میں (وقال بعضھم یجوز وھو المختار) مختار قول یہ ہے کہ اجرت لینا جائز ہے۔

صاحب شامی فرماتے ہیں کہ صاحب الجوھرۃ النیرۃ کو یوں کہنا چاہئے تھا کہ آیا تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ اصل اختلاف اس میں ہے

نہ کہ صرف قرآن کریم پڑھنے میں، (اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کیونکہ صاحب خانہ کے کہنے پر اس کے گھر یا دوسری جگہ قاری کا آکر قرآن پڑھنے پر اپنا وقت صرف کرنے پر اجرت لینا تو جائز ہے، اس میں تو کسی قسم کا اختلاف نہیں)

اصل اختلاف تو اس میں ہے کہ آیا مدت کے تعین سے قرآن کریم پڑھانے پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

صاحب شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ:

جوہرۃ النیرۃ میں یہ کلمات (وقال بعضھم یجوز وھو المختار) مختار قول یہ ہے کہ اجرت لینا جائز ہے (اس کی دو شقیں ہیں)

(۱) یا تو سبقت قلم ہے (لکھنے میں لغزش کا احتمال ہے جسے فقہاء سبقت قلم سے تعبیر کرتے ہیں)

(۲) یا صاحب الجوھرة النیرة نے عمداً قصداً یہ لکھا ہے:
شق اول کے مطابق اگر سبقت قلم ہے پھر تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں (کہ انسان سے خطا اور لغزش کا وقوع ممکن ہے)
شق دوم! کے مطابق اگر یہ بات صاحب الجوھرة النیرة نے عمداً قصداً کہی ہے سو حالت قصد وعمد میں یہ بات علمائے اعلام ومقتدیان انام کے قول قاطبہ (قول محکم) کے خلاف ہے۔

میں بحمدہ تعالیٰ کئی وجوہ سے اس کا جواب دیتا ہوں

وجہ اول

میں کہتا ہوں کہ معترض کا صاحب الجوھرة النیرة کے ان کلمات (وقال بعضهم يجوز وهو المختار) مختار قول یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت پر اجرت لینا جائز ہے کو (سبق قلم، سبقت قلم) تعبیر کرنا اور پھر اسے غلط قرار دینا ہی بڑی غلطی ہے۔
کیونکہ الجوھرة النیرة میں قرآن کریم کی تلاوت پر اجرت لینے کے جواز پر (یجوز وهو المختار) کے الفاظ ہیں اور اس سے قبل قرآن کریم کی تلاوت پر اجرت لینے کے جواز پر جو دلائل گزرے ہیں ان میں یہ الفاظ (المفتٰی بہ، یعنی وہ قول جس پر فقہاء کا فتویٰ ہے یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت پر اجرت لینا جائز ہے) کے الفاظ موجود ہیں۔
حتیٰ يجبر على دفع الاجر الى المعلم و عليه الفتوىٰ، وَالْفَتْوَى فِي زَمَانِنَا عَلَى وُجُوبِ الْأُجْرَةِ[271]

[271] العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية، ج ٢، ص ١٢٦

وجہ دوم

وجہ دوم یہ ہے مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متقدمین رحمھم اللہ تعالیٰ کے قول کے مرادی معنی سے ناواقف ہیں، کیونکہ فقہاء کے اس قول (لایجوز الاستیجار) کا معنیٰ لایجب الاجر ہے نہ کہ یحرم یا یکرہ کما مرمن المبسوط والخلاصة الفتاویٰ وعینی الھدایة، وعینی البخاری، وغیرھا فتذکر)

(یعنی صاحب مبسوط ودیگر فقہاء کرام نے لایجب الاستیجار کا معنی مرادی یوں کیا ہے کہ لا یجوز الاستیجار کا مطلب لا یجب الاجر اجرت واجب نہیں، فقہاء نے اس کا مطلب یہ تو بیان نہیں کیا کہ لایجوز الاستیجار کہ استیجار صحیح نہیں کا یہ معنیٰ ہو ای یحرم کہ یہ اجرت حرام، یہ کسی فقیہ نے نہیں کہا۔

اور نہ ہی فقہاء نے لا یجوز الاستیجار کا مطلب یہ بیان کیا کہ لا یجوز الاستیجار ای یکرہ کہ استیجار صحیح نہیں کا یہ مطلب ہو کہ یہ اجرت مکروہ ہے)

معلوم ہوا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے تسامح ہوا۔

وجہ سوم

صاحب بحر الرائق لکھتے ہیں:

وَالَّذِي ظَهَرَ لِي أَنَّهُ مَبْنِيٌّ على قَوْلِ أبي حَنِيفَةَ بِكَرَاهَةِ الْقِرَاءَةِ عِنْدَ الْقَبْرِ فَلِذَا يَبْطُلُ التَّعْيِينُ وَالْفَتْوَى على قَوْلِ مُحَمَّدٍ من عَدَمِ كَرَاهَةِ الْقِرَاءَةِ عِنْدَهُ كما في الْخُلَاصَةِ فَيَلْزَمُ التَّعْيِينُ۔[272]

---

[272] البحر الرائق، ج۵، ص ۲۴۶

صاحب بحر الرائق فرماتے ہیں، یہ قول امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول پر مبنی ہے جس میں انہوں نے فرمایاہے کہ قبر کے پاس قرآن کریم کی تلاوت مکروہ ہے مگر امام محمد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قبر کے پاس قرآن کریم کی تلاوت مکروہ نہیں اور یہی قول مختار ہے، جیسا کہ خلاصۃ الفتاویٰ میں ذکر کیا گیا ہے پس اجرت کا تعین لازم ہے، میں کہتا ہوں کہ اب تو بات بالکل واضح ہو گئی۔

وجہ چہارم

صاحب الجوھرۃ النیرۃ نے اپنے قول میں مدت معلوم کی قید لگائی، فرمایا کہ اگر کسی نے ایک متعین کردہ مدت تک قرآن کریم کی تلاوت کرنے کے لئے کسی کو متعین کیا تو (تعین مدت کی وجہ سے تالی قرآن کو) تلاوت قرآن پر اجرت لینا جائز ہے۔

جب کہ یہی بات قول ثالث میں واضح طور پر بیان کی گئی ہے، اسے دوبارہ ملاحظہ فرمائیں۔

(قول ثالث کا خلاصہ: اس ضمن میں فقہاء کا تیسرا نظریہ یہ ہے کہ طاعات پر اجارہ اگر قید مکانی یا قید زمانی کے ساتھ مقید ہو تو ایسا اجارہ ان قیود کے ساتھ جائز ہے، اور اگر طاعات پر اجارہ قید مکانی یا قید زمانی کی قید سے مستثنیٰ ہو (یعنی تعلیم پر عقد اجارہ میں زمان یا مکان کی قید نہ ہو) تو پھر وہ اجارہ ناجائز، کیونکہ پھر اجارہ نفس طاعت پر ہو گا اور یہ ناجائز ہے) یعنی جوھرۃ النیرۃ اور قول ثالث میں مطابقت ہے۔

وجہ پنجم

پانچویں وجہ یہ ہے کہ مدۃ معلومہ کی قید صرف صاحب جوھرۃ النیرۃ کا قول نہیں، بلکہ یہ قول اکثر مجتہدین و معتبر علماء اعلام سے منقول ہے، مثلاً صاحب خلاصۃ الفتاویٰ جو مجتہد ہیں اور صاحب فتاویٰ قاضی خان (یہ بھی مجتہد ہیں)

اس پر مزید دلائل ملاحظہ فرمائیں، ان دلائل کو سوال وجواب کی صورت میں ذکر کروں گا۔

سوال: کیا قرآن کریم کی تلاوت قبروں کے پاس جائز ہے یا نہیں؟

جواب: صاحب فتاویٰ الولوالجی لکھتے ہیں:

(۱) وهل قرأة القرآن عند القبور مكروهة تكلموا فيه قال ابو حنيفة يكره و قال محمد رحمة الله تعالىٰ عليه لا يكره و مشائخنا اخذوا بقول محمد رجل مات فاجلس وارثه رجلا يقرءالقراٰن على قبره تكلموا فيه منهم من كره ذلك والمختار انه ليس بمكروه، و يكون المأخوذ به فى هذا الباب قول محمد ولهذا حكى عن الشيخ ابى بكر العياض انه اوصىٰ عند موته بذلك ولو كان مكروها لما اوصى به[273]

صاحب فتاویٰ الولوالجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

کیا قبروں کے پاس قرآن کریم کی تلاوت مکروہ ہے، صاحب فتاویٰ الولوالجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جواب دیتے ہیں، اس مسئلہ میں فقہاء کے دو نظریے ہیں:

(۱) امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، مکروہ ہے۔

(۲) جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، مکروہ نہیں۔

البتہ علماء احناف نے امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کو ترجیح دی اور اسی پر عمل کیا۔

صاحب فتاویٰ الولوالجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان وفات پا جائے، اور مرحوم کے ورثاء اس کی قبر کے پاس قرآن کریم پڑھنے کے لئے قاری کو بٹھائے (تو آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟)

صاحب فتاویٰ الولوالجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اس میں بھی فقہاء نے کلام فرمایا۔

---

[273] ذکرہ الولوالجی شلبی ج ۱، ص ۲۴۶

یعنی اس میں بھی دو نظریئے ہیں:

(۱) ایک نظریہ کے مطابق قبر کے پاس قاری کو اس لئے بٹھانا کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کرے مکروہ ہے (منھم من کرہ ذلک)۔

(۲) دوسرا نظریہ یہ ہے کہ قبر کے پاس قاری کو اس لئے بٹھانا کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کرے مکروہ نہیں۔

صاحب فتاویٰ الولوالجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنا نظریہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مختار قول یہی ہے (و المختار انہ لیس بمکروہ)۔

صاحب فتاویٰ الولوالجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اس باب میں (یعنی اس مسئلہ میں) امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہی نافذ العمل ہو گا۔ (ویکون الماخوذ بہ فی ھذا الباب قول محمد رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ)

صاحب فتاویٰ الولوالجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اسی بناء پر شیخ ابوبکر العیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ جب وہ قریب المرگ ہوئے تو آپ نے وصیت فرمائی کہ جب میری روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے تو میری قبر کے پاس قاری کو بٹھانا تاکہ وہ میری قبر کے پاس قرآن کریم کی تلاوت کرے۔

صاحب فتاویٰ الولوالجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر قبر کے پاس قاری کو بٹھا کر قرآن پڑھوانا ناجائز ہوتا، تو حضرت شیخ ابو بکر العیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایسی وصیت کیوں فرماتے؟ اتنے عظیم فقیہ کا اس انداز سے وصیت فرمانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قبر کے پاس قاری کو قرآن کریم پڑھنے کے لئے بٹھانا جائز ہے۔

صاحب فتاویٰ تاتارخانیہ فرماتے ہیں:

وفی التتارخانیۃ رجل مات فاجلس وارثہ رجلا علیٰ قبرہ یقرأ القرأن قال بعضھم یکرہ والمختار انہ لا یکرہ والاشبہ انہ ینتفع بہ المیت۔[274]

صاحب تتارخانیہ فرماتے ہیں:

کہ اگر کوئی مسلمان وفات پا جائے اور مرحوم کے ورثاء اس کی قبر کے پاس قرآن کریم پڑھنے کے لئے قاری کو بٹھائے تو آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

صاحب تتارخانیہ فرماتے ہیں:

اس میں فقہاء کے دو نظریئے ہیں:

بعض نے فرمایا ہے، مکروہ ہے۔(قال بعضھم یکرہ)

اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے، مختار قول یہ ہے کہ مکروہ نہیں،(والمختار انہ لا یکرہ)۔

صاحب تتارخانیہ اپنا نظریہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

میرے نزدیک احوط قول یہ ہے اس سے صاحب مزار کو فائدہ ہو گا۔

صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

واختلف فی اجلاس القارئین لیقرؤا عند القبر والمختار عدم الکراھۃ۔[275]

(صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں) قبروں کے پاس قاریوں کو اس لئے بٹھانا کہ وہ قبر کے پاس قرآن کریم کی تلاوت کریں، سو اس مسئلہ میں فقہاء نے اختلاف فرمایا ہے، مگر مختار قول یہ ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے۔(والمختار عدم الکراھۃ)

---

[274] تتارخانیۃ تکلمۃ البحر، ج ۸

[275] فتح القدیر، کبیری، جنائز ۲۵۶

صاحب جوھرۃ النیرۃ اور صاحب سراج الوھاج لکھتے ہیں:

اخْتَلَفُوا فِي الِاسْتِئْجَارِ عَلَى قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ عَلَى الْقَبْرِ مُدَّةً مَعْلُومَةً قَالَ بَعْضُهُمْ: لَا يَجُوزُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: يَجُوزُ وَهُوَ الْمُخْتَارُ۔[276]

صاحب جوھرۃ النیرۃ اور صاحب سراج الوھاج فرماتے ہیں:

مدت معلومہ کی صورت میں قبر کے پاس قاری کو بٹھا کر قرآن کریم کی تلاوت کروانے پر اجرت دینے (اور اجرت لینے میں) فقہاء نے اختلاف فرمایا ہے، بعض فرماتے ہیں جائز نہیں جبکہ بعض فرماتے ہیں جائز ہے اور یہی قول مختار ہے۔ (وقال یجوز وھو المختار)

صاحب در مختار لکھتے ہیں

لا یکرہ إجلاس القارئین عند القبر وھو المختار[277]

صاحب در مختار فرماتے ہیں کہ قبر کے پاس قاریوں کو قرآن کریم کی تلاوت کے لئے بٹھانا مکروہ نہیں، اور یہی مختار ہے۔ (وھو المختار)

صاحب شامی و صاحب مراقی الفلاح لکھتے ہیں:

ولا یکرہ الجلوس للقراءة على القبر في المختار لتأدية القراءة بالسكينة والتدبر والاتعاظ[278]

صاحب شامی اور صاحب مراقی الفلاح فرماتے ہیں:

مختار قول کے مطابق قبر کے پاس قاری کا قرآن کریم تلاوت کے لئے بیٹھنا مکروہ نہیں، تاکہ نہایت سکون واطمینان کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کی جاسکے۔

---

[276] الجوھرۃ النیرۃ، ج۳، ص ۴۱
[277] الدر المختار، ج۲، ص ۲۴۵
[278] مراقی الفلاح، ج ا، ص ۲۳۳

صاحب عینی الھدایة لکھتے ہیں:

ولا باس بقراءة القرأن عند القبور ولکن لا یجلس علی القبر۔

صاحب عینی الھدایة فرماتے ہیں، قبروں کے پاس قرآن کریم کی تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں، ہاں قبروں کے اوپر بیٹھنا منع ہے[279]

صاحب سادة المتقین شرح احیاء العلوم لکھتے ہیں:

ان الاستیجار لقراءة القرأن علی راس القبر مدة معلومة جائز کالاستیجار للاذان و تعلیم القرأن ان کانت القراءة علی القبر فیستحق الاجر وینتفع المیت بالقراءة و یخفف عنه العذاب بذٰلک قال فی تکملة البحر الجزء الثامن و فی التتارخانیة رجل مات فاجلس وراثه رجلا علی قبره یقراء القرأن قال بعضهم یکره و المختار انه لا یکره و الاشبه انه ینتفع به المیت[280]

صاحب سادة المتقین شرح احیاء العلوم تکملة البحر کی آٹھویں جزء سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قبر کے سرہانے مدة معلومہ تک اگر قاری کو بٹھایا جائے تاکہ وہ قبر کے پاس قرآن کریم کی تلاوت کرے، تو اسے اجرت دینا (اور قاری کا اجرت لینا) جائز ہے، یہ ایسا ہی جائز ہے جیسے کوئی شخص اذان اور تعلیم قرآن پر اجرت لیتا ہے، جیسے اذان اور تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ویسے ہی قبر کے پاس قاری کو مدة معلومہ کے لئے بٹھا کر قرآن کریم کی تلاوت کروا کر اسے اجرت دینا جائز)۔

---

[279] عینی الھدایة الجنائز، ص ۱۳۲

[280] سادة المتقین، شرح احیاء العلوم

صاحب سادۃ المتقین فتاویٰ تتارخانیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کہ اگر کوئی مسلمان وفات پا جائے اور مرحوم کے ورثاء اس کی قبر کے پاس قرآن کریم پڑھنے کے لئے قاری کو بٹھائیں (تو آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟)

صاحب تتارخانیہ فرماتے ہیں:

اس میں فقہاء کے دو نظریئے ہیں:

بعض نے فرمایا ہے، مکروہ ہے (قال بعضهم يكره)

اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے، مختار قول یہ ہے مکروہ نہیں، (والمختار انه لا يكره)

صاحب فتاویٰ تتارخانیہ اپنا نظریہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

میرے نزدیک احوط قول یہ ہے کہ اس سے صاحب مزار کو فائدہ ہوگا۔

صاحب فتاویٰ قاضی خان لکھتے ہیں:

وإن قرأ القرآن عند القبور إن نوي بذلک أن يؤنسهم صوت القرآن فإنه يقرأ فإن لم يقصد ذلک فالله تعالى يسمع قراءة القرآن حيث كانت۔[281]

صاحب فتاویٰ قاضی خان فرماتے ہیں:

کہ اگر قبروں کے پاس قرآن کریم اس نیت سے پڑھا جائے کہ اہل قبور قاری کی آواز سن کر موانست حاصل کریں تو (اچھی بات ہے پھر تو قبروں کے پاس) قرآن پڑھے (کوئی حرج نہیں) اور اگر یہ مقصود نہ ہو تو پھر قاری جہاں سے بھی پڑھ (کر ایصال ثواب کرے) تو اللہ جل جلالہ اس کی تلاوت کو ہر جگہ سنتا ہے، اور تلاوت کا ثواب مرحوم کو پہنچتا ہے۔

---

[281] فتاویٰ قاضی خان، ج ۱، ص ۲۶۰

کلام مذکورہ بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر موانست کے حصول کی نیت نہ بھی ہو تب بھی قبر کے پاس قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب مرحومین کو مل جاتا ہے۔

صاحب طحطاوی فرماتے ہیں:

والمختار جواز الاستیجار علی قراءۃ القرأن علی القبور مدۃ معلومۃ کما فی الطحطاوی حاشیۃ الدر المختار فی باب الاجارۃ الفاسدۃ ثم خزینۃ الاسرار۔

صاحب طحطاوی فرماتے ہیں:

کہ مدت معلومہ کی قید کے ساتھ قبروں کے پاس تلاوت کرنے والے کو اجرت دینا اور تالی قرآن کا اجرت لینا مختار قول کے مطابق جائز ہے۔

اعتراض

ان القربۃ متیٰ حصلت وقعت عن العامل ولھذا تتعین اھلیتہ و نیتہ فلا یجوز لہ اخذ الاجرۃ من غیرہ کما فی الصوم والصلوٰۃ۔

اعتراض یہ ہے کہ جناب والا

جب عامل (عامل سے مراد نیکی کرنے والا شخص) کوئی بھی نیکی کرتا ہے، سو یہ اسی کا عمل شمار ہو گا (اسی کی عبادت شمار ہو گی اس لئے کہ یہ عبادت اسی سے واقع ہوئی) کیونکہ اس کی نیت و اہلیت متعین ہے، سو اس عامل کے لئے دوسروں سے عبادت پر اجر حاصل کرنا جائز نہیں۔

جیسے روزہ اور نماز وغیرہ ہے۔

جواب

اس اعتراض کے بحمدہ تعالیٰ میں دو جوابات دیتاہوں، پہلا جواب یہ ہے کہ:

(ا) اے معترض تیرا اعتراض یہ ہے کہ عبادت کرنے والا جو بھی عبادت کرتا ہے، وہ اسی کے ساتھ مختص ہو گی، اس عبادت کا وقوع اس ہی سے ہو گا، یعنی اپنی عبادت سے دوسروں کو نفع نہیں پہنچا سکتا، جب ہی تو وہ اپنے اس عمل پر اجرت حاصل نہیں کر سکتا۔

تیرا یہ اعتراض غلط ہے اس لئے کہ اہل سنت وجماعت کے نزدیک عامل کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے نیک عمل کا ثواب دوسرے مسلمان کو بخشے خواہ وہ نیک عمل نفلی نماز ہو یا نفلی روزے ہوں، حج ہو یا صدقہ، یا تلاوت قرآن کریم، یا ذکر الٰہی جل جلالہ، یوں ہی انبیاء کرام علیہم السلام کے مزارات مقدسہ کی زیارت کا ثواب یا اولیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مزارات کی زیارتیں، ان تمام حسنات وعبادات کا ثواب مرحومین کو بخشا جا سکتا ہے۔[282]

دوسرا جواب

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ صاحب بحر الرائق نے اس اعتراض کا جواب اس انداز سے دیا ہے، كَذَا قالوا وَيُنْتَقَضُ هذا بِمَا ذَكَرُوا في بَابِ الْحَجِّ عن الْغَيْرِ أَنَّ الْحَجَّ يَقَعُ عن الْآمِرِ صاحب بحر الرائق کہتے ہیں اے معترض فقہاء کے اقوال (أَنَّ الْحَجَّ يَقَعُ عن الْآمِرِ) کے ساتھ تیرے اس اعتراض کی دھجیاں بکھر گئیں، فقہاء کرام علیہم الرضوان نے لکھا کہ اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے کہے کہ میری جانب سے حج کر لو اور دوسرا مسلمان حج کا حکم دینے والے مسلمان کی جانب سے حج کر لے تو فقہاء نے لکھا (أَنَّ الْحَجَّ يَقَعُ عن الْآمِرِ) یہ حج حکم دینے والے کی جانب سے ہو گا۔

---

[282] ھدایۃ الغایۃ السروج، فتح القدیر، درمختار، ردالمختار، شرح الصدور، عالمگیری ج ا، ص ۱۲۶

دیکھا آپ نے کہ عمل کوئی کر رہا ہے اور وہ عبادت کسی کی جانب سے واقع ہو رہی ہے جب کہ یہ حج بدل ہے عامل کوئی نفلی حج بھی نہیں کر رہا بلکہ فرض حج ہے، پھر بھی یہ حج جسے حج بدل کہتے ہیں اُمر (حج بدل کا حکم دینے والا) کی جانب سے ہی شمار ہو گا، کیونکہ اس حج سے اُمر کا ذمہ فارغ ہو گا نہ کہ عامل کا۔

مزید براں تو نے اپنے اعتراض کے لئے جس عبارت کو دلیل بنایا اس عبارت میں یہ جملہ (فلا یجوز لہ اخذ الاجرۃ من غیرہ) سو عامل کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان حسنات پر کسی سے اجرت لے، اس جملے کے بحمدہ تعالیٰ میں نے اتنے دلائل دیئے ہیں کہ اب جملے کی کوئی حیثیت نہ رہی۔

سوال

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ تبین المحارم میں عبارات صحیحہ کے ساتھ اس مسئلہ کی تردید میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ انہوں نے جن عبارات سے استدلال کیا ہے وہ صریح ہیں۔

جیسے کہ حضرت تاج الشریعۃ نے شرح الھدایۃ میں فرمایا ہے:

بالقران مثل أن یستأجر رجلا یقرأ علی رأس قبر، قیل: ھذہ القراءۃ لا یستحق بھا الثواب لا للمیت و لا للقارئ و قال العینی فی شرح الھدایۃ و یمنع القاری للدنیا و الاخذ و المعطی اثمان۔[283]

اگر اجرت پر قرآن کریم پڑھا جائے سو اس صورت میں ثواب کا مستحق نہ تو قاری ہوا اور نہ ہی مرحوم کو بخشنے کا ثواب ملے گا، اور عینی شرح الہدایۃ میں فرمایا ہے کہ (قاری اگر دنیا کے حصول کے لئے قرآن پڑھتا ہے تو) اسے روکا جائے، نیز قرآن کریم کی تلاوت کر کے اجرت دینے والا اور اجرت لینے والا دونوں گنہگار ہیں۔

---

[283] شامی، ج۵، ص ۳۵

جواب اول

اس سوال کے دو جواب ہیں

پہلا جواب یہ ہے کہ اجارہ مصرح جائز ہے، دیکھئے نہایۃ، چم، بحر الرائق

جواب دوم

و فی الروضۃ و فی زماننا یجوز للامام و المؤذن و المعلم اخذ الاجرۃ و مثلہ فی العنایۃ والکفایۃ و الامام الخیر الاخریٰ۔

کتاب الروضۃ میں ہے کہ ہمارے زمانے میں امام اور مؤذن اور معلم کے لئے اجرت اپنے عمل (یعنی معلم قرآن کو قرآن کریم پڑھانے کا، اور موذن کو اذان دینے کی اجرت لینی چاہیئے) اسی طرح کتاب العنایۃ، کتاب الکفایۃ میں ہے اور یہی قول حضرت علامہ امام الخیری اخری کا بھی ہے۔

سوال

سوال: قنیہ (نام کتاب) میں ہے کہ اگر کسی شخص نے اس شرط پر کوئی شے وقف کی کہ اس کے عوض میں میری قبر کے پاس قرآن کریم کی تلاوت کی جائے، سو یہ تعین باطل ہے۔ اور کتاب الوصایا میں علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر ایک مسلمان نے دوسرے کے لئے وصیت کی کہ جو بھی میری قبر کے پاس قرآن پڑھے گا تو اس کے عوض اسے مال دیا جائے تو یہ وصیت باطل ہے۔

میں بحمدہ تعالیٰ کئی وجوہ سے اس کا جواب دیتا ہوں

وجہ اول

صاحب بحر لکھتے ہیں:

قال فی البحر فی الوقف ان ھذا البطلان مبنی علی (ظاھر) غیر المفتیٰ بہ و المفتیٰ بہ، جواز اخذ الاجرۃ وتعین المکان، بحر وقف

اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے صاحب البحر (باب الوقف میں) لکھتے ہیں کہ تم نے جس بطلان کا ذکر کیا ہے سو یہ بطلان غیر مفتٰی بہ قول پر مبنی ہے (ان ھذا البطلان مبنی علی (ظاھر) غیر المفتیٰ بہ) اور جو مفتی بہ قول ہے اس کے مطابق تعین مکان اور اجرت لینا جائز ہے۔

(المفتیٰ بہ جواز اخذ الاجرۃ وتعین المکان)

وجہ دوم

قال صاحب البحر فی الوقف والذی ظھر لی انہ مبنی علی قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بکراھۃ القراءۃ عند القبر و المختار قول محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ من عدم الکراھۃ القراءۃ عند القبر کما فی الخلاصۃ، بحر وقف۔

صاحب خلاصۃ الفتاویٰ اپنی رائے پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے صاحب خلاصۃ الفتاویٰ (باب الوقف میں) لکھتے ہیں، میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ (بطلان وصیت) اس قول پر مبنی ہے جس قول میں امام اعظم نعمان بن ثابت ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ قبر کے پاس قرآن کریم کی تلاوت مکروہ ہے،

انہ مبنی علی قول ابی حنیفۃ بکراھۃ القراءۃ عند القبر۔

جبکہ امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قبر کے پاس قرآن کریم کی تلاوت کرنا مکروہ نہیں، یہی مختار قول ہے (والمختار قول محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ من عدم کراھۃ القراءۃ عند القبر)

وجہ سوم

صاحب حموی الاشباہ لکھتے ہیں:

قال الحموی و فی مجمع الفتاویٰ الوصیۃ بالقراءۃ علی القبر باطلۃ و لکن ھذا لم یعین القاری و اما اذا اؤعینہ فینبغی ان یجوز علی وجہ الصلۃ۔ (حموی الاشباہ)

اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے صاحب حموی الاشباہ مجمع الفتاویٰ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قبر کے پاس قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی وصیت کرنا اس صورت میں باطل ہے جب قرآن پڑھنے والے کا تعین نہ ہو (یعنی جب قاری متعین نہ ہو)

اور اگر قاری متعین ہو پھر بحیثیت اجرت قاری کو دینا جائز ہے۔

وجہ چہارم

صاحب حموی الاشباہ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و یفھم من قول مجمع الفتاویٰ ان الوصیۃ بالقراءۃ انما بطلت لعدم جواز الاجارۃ علی القراءۃ و ینبغی ان یکون صحیحۃ علی المفتیٰ بہ من جواز الاجارۃ علی الطاعۃ کما ھو مذھب عامۃ العلماء المتاخرین۔ (حموی الاشباہ)

اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے صاحب حموی الاشباہ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مجمع الفتاویٰ کے قول سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ وصیت کرنا کہ میری قبر کے پاس قرآن کریم کی تلاوت کی جائے سو یہ وصیت باطل ہے کیونکہ قرآن کریم کی تلاوت پر اجارہ جائز ہی نہیں۔

جبکہ میں کہتا ہوں کہ متأخرین علماء احناف کے مذہب و مفتٰی بہ قول کے مطابق طاعات پر اجارہ (یعنی اجرت لینا) صحیح و جائز ہے۔

سوال

جناب والا! قبر کے پاس قرآن کریم پڑھ کر اس کی اجرت لینا بدعت ہے کیونکہ قرات قرآن عند القبر پر نہ تو آئمہ اربعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ) سے کوئی قول منقول ہے اور نہ ہی ان اکابر کی اجازت، سو مرنے والے کا وصیت کرنا کہ میرے مرنے کے بعد میری قبر کے پاس قاری کو بٹھا کر تلاوت کروائی جائے یہ وصیت محض باطل ہے، جب یہ وصیت ہی باطل تو قاری کو اجرت دینے اور نہ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

میں کئی وجوہ سے اس کا جواب دیتا ہوں

یہ اجرت دراصل صدقہ ہے اور صدقات کے متعلق مطلق نصوص قرآن و احادیث صحیحہ، اثبات صدقات للاموات اور ان صدقات کا نافع للاموات ہونے کے لئے کافی و شافی موجود ہیں، سو نصوص قرآن کریم و احادیث صحیحہ کے ہوتے ہوئے ہمیں ان مسائل میں صحابہ کرام یا ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیھم اجمعین کی اجازت کی ضرورت نہیں، ضرورت تب ہوتی جب اس مسئلے کا حل نصوص قرآن کریم و احادیث صحیحہ میں نہ ہوتا۔

وجہ دوم

ثم القراء عند القبور مکروہ عند ابی حنیفة و مالک و احمد فی روایة لانہ محدث و قال محمد بن الحسن و احمد فی روایة لا یکرہ لما روی عن ابن عمر انہ اوصیٰ ان یقراء علی قبرہ وقت الدفن بفواتح سورة البقرة و خواتمھا۔[284]

صاحب شرح فقہ اکبر لکھتے ہیں:

رہا قبروں کے پاس قرآن کریم کی تلاوت کرنا سو ایک روایت کے مطابق یہ امام اعظم نعمان بن ثابت، امام مالک اور امام احمد رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین کے نزدیک مکروہ ہے کیونکہ یہ دین میں ایک نیا کام ہے، جبکہ امام محمد بن حسن اور امام احمد رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ایک روایت میں کہا ہے کہ قبروں کے پاس قرآن کریم کی تلاوت کرنا مکروہ نہیں، اپنے اس قول پر دلیل دیتے ہوئے امام محمد بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی کہ میرے دفن کے وقت سورہ بقرہ کا پہلا رکوع اور آخری رکوع پڑھا جائے۔

سوال: کل طاعة یختص بھا المسلم ای ملة الاسلام لا یجوز الاستیجار علیھا۔

سوال: جناب! جو طاعات مسلمانوں سے مختص ہیں ان طاعات پر اجارہ (اجرت) لینا جائز نہیں۔[285]

---

[284] شرح القاری للفقہ اکبر، ص ۱۵۸

[285] شامی، ج۵، ص ۳۴

میں کئی وجوہ سے اس کا جواب دیتا ہوں

وجہ اول

میں پہلے بھی اس کا جواب دے چکا ہوں کہ حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متقدمین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کے مرادی معنی سے ناواقف ہیں، کیونکہ فقہاء کے اس قول (لا یجوز الاستیجار) کا معنی (لا یجوب الاجر) ہے نہ کہ (یحرم) یا (یکرہ، کما مر من المبسوط، والخلاصۃ الفتاوی وعیسی الھدایۃ وعینی البخاری وغیرھا فتذکر)

یعنی صاحب مبسوط و دیگر فقہاء کرام نے "لایجب الاستیجار" کا معنیٰ مرادی یوں کیا ہے کہ "لایجوز الاستیجار" کا مطلب ہے "لایجب الاجر" اجرت واجب نہیں۔

فقہاء نے اس کا مطلب یہ تو بیان نہیں کیا کہ "لایجوز الاستیجار، ای محرم" کہ استیجار صحیح نہیں کا معنی یہ ہو کہ یہ اجرت حرام ہے، یہ کسی فقیہ نے نہیں کہا اور نہ ہی فقہاء نے "لا یجوز الاستیجار" کا مطلب یہ بیان کیا کہ "لا یجوز الاستیجار ای یکرہ" کہ استیجار صحیح نہیں کا یہ مطلب ہوا کہ یہ اجرت مکروہ ہے۔

معلوم ہوا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے تسامح ہوا۔

مزید معلومات درکار ہوں تو قول اول کی طرف رجوع فرمائیں وہاں میں نے کتب کثیرہ (تقریباً چودہ کتابوں) سے ثابت کیا ہے کہ اجارہ کا انعقاد اور چیز ہے (اس کے الگ احکامات ہیں اور) قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب مرحومین کو ملنا اور شے ہے۔ اس کے احکامات اور ہیں اور صدقہ کے احکامات اور ہیں۔

نتیجہ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت پر اجارہ منعقد نہیں ہوتا، رہا ثواب تو وہ یقیناً مرحوم و تالی کو مل جاتا ہے۔

رہا صدقہ سو وہ تو ہر حال میں درست ہے۔(اس میں تو کلام نہیں)

وجہ سوم

تیسرا جواب یہ ہے!

کہ سورۃ فاتحہ پڑھنا ملت اسلامیہ کی عبادت کا خاصہ ہے، باوجود اس کے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنا اس پر اجرت لینا باجماع امت جائز ہے، جس پر احادیث سے حوالے گزر چکے ہیں۔

وجہ چہارم

صاحب تفسیر عزیزی (بعد ما بین منعہ) کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:

چوں علماء دیگر غور کردند ہیچ وجہ دراں نیافتند، واجماع بر جواز آں محقق گشت، و ازیں آیت حرمت او ثابت نمی شود۔ زیرا کہ اگر مراد (لیشتروا بہ ثمنا قلیلا) گرفتن اجرت کتابت یا قیمت کاغذ و سیاھی می شود لفظ ثم یقولون ھذا من عند اللہ محض ضائع و لغو می افتد۔ و لھذا ابن عباس و محمد بن حنیفۃ باباحت فتویٰ دادند۔ تفسیر عزیزی

صاحب تفسیر عزیزی (بعد ما بین منعہ) کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ جب طاعات پر منع کے دلائل کو دیکھا گیا سو ان دلائل میں کوئی وزن نہ پایا اس لئے کہ جب دیگر علماء نے ان دلائل پر غور و خوض کیا جو منع کے لئے قائم کی گئیں تھیں تو ان علماء نے ان دلائل میں ایسی کوئی وجہ نہ پائی کہ جو اجرت لینے کے منع کا سبب بن سکے، جبکہ اجرت کے جواز پر اجماع ثابت و قائم ہے۔

نیز اس آیت (لیشتروا بہ ثمنا قلیلا) سے اجرت کی حرمت ثابت نہیں۔ کیونکہ اگر اس آیت (لیشتروا بہ ثمنا قلیلا) سے اجرت کتابت یا قیمت کاغذ و قیمت سیاہی مراد لیں تو پھر اللہ جل جلالہ کے اس قول (ثم یقولون ھذا من عند اللہ) کا کیا مقصد ہو گا؟ اس لئے حضرت عبد اللہ ابن عباس اور حضرت محمد ابن حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنھما نے اجرت لینا مباح قرار دیا ہے۔

اعتراض

اس اعتراض کی تین شقیں ہیں:

شق نمبر (۱) جناب المعروف کالمشرط ہے (یعنی جو بات عرف میں پائی جائے تو ایسا ہے جیسے اس نے شرط لگا دی، تو قبر پر یا دیگر مواقع پر قرآن خوانی کے بعد کچھ لے لینا ایسا ہی ہے جیسے اس نے پہلے سے یہ طے کر لیا ہو سو اس صورت میں بھی کچھ قبول کر لینا جائز نہیں، کیونکہ قاعدہ ہے المعروف کالمشروط)۔

شق نمبر (۲) قول البعض ھذا یشبہ الاجرۃ

بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ قرآن خوانی کے بعد کچھ قبول کر لینا اجرت کے مشابہ ہے۔

شق نمبر (۳) ھذا بمنزلۃ الاجرۃ

بعض فقہاء نے فرمایا ہے یہ اجرت کے قائم مقام ہے۔

طاعات پر کچھ قبول کرنا یا تو مثل شرط کے ہے یا مشابہ شرط کے ہے یا بمنزل شرط کے ہے لہذا تمام صورتوں میں طاعات پر اجرت لینا منع ہے۔

میں بحمدہ تعالیٰ کئی وجوہ سے اس کا جواب دیتا ہوں

وجہ اول

صاحب عینی لکھتے ہیں:

لان المتقدمین منعوا ذلک لرغبۃ الناس فی مجازات الاحسان بالاحسان بلاشرط و قدزال۔[286]

فقہاء لکھتے ہیں کہ متقدمین فقہاء نے اجرت کا لینا اس لئے منع کیا تھا کہ ان کے زمانے میں لوگ احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ چکانے میں رغبت رکھتے تھے، جبکہ وہ رغبت ہمارے دور میں زائل ہو چکی ہے، سو ہمارے زمانے میں طاعات پر اجرت لینا جائز ہے، تفصیلی جواب قول ثانی کے بیان میں گزر چکا ہے۔

فارجع الی القول الثانی، سو اگر تفصیلی جواب دیکھنا ہو تو قول ثانی کا مطالعہ فرمائیں۔

صاحب روح البیان و خزینۃ الاسرار لکھتے ہیں:

وقالوا في زماننا تغير الجواب في بعض مسائل لتغير الزمان وخوف اندراس العلم والدين لفتور الرغبات (الیٰ قولہ) فافتیٰ فی الجواز فیھما خشیۃ الوقوع فی ما ھو اشد منھا واضح۔[287]

---

[286] عینی، کفایۃ، عنایۃ، کافی، البحر، کمامر فی القول الثانی

[287] روح البیان، ج ۱، ص ۱۲۱

صاحب روح البیان وصاحب خزینۃ الاسرار فرماتے ہیں:

کہ متقدمین کے زمانے میں لوگ نیکیوں کے کاموں میں رغبت رکھتے تھے، سو ان کا اجرت لینے کو منع کہنا اس زمانے کے لحاظ سے بالکل درست تھا جبکہ ہمارے زمانے میں لوگوں کی طبیعتوں میں تغیر و تبدل کی وجہ سے بعض مسائل کا جواب بھی متغیر ہو گا۔

بلکہ ہمارے زمانے میں لوگوں کی دین کی طرف رغبت میں کمی اور سستی و کاہلی اس حد تک پہنچی کہ اس بات کا خوف پیدا ہوا کہ بے رغبتی اور سستی و کاہلی کی بنا کہیں دین واسلام منہدم نہ ہو جائے۔

سو علماء احناف نے بوجہ خوف کے کہ کہیں دین و اسلام منہدم نہ ہو جائے مذکورہ مسائل (طاعات پر اجرت لینے) کے بارے میں جواز کا فتویٰ دیا۔

اس لئے کہ دین کا بتمامہ منہدم ہونے سے بہتر ہے کہ جواز کا فتویٰ دیا جائے اور دین کو منہدم ہونے سے بچایا جائے، کیونکہ دین کا منہدم ہونا (نعوذ باللہ) اجرت کے لینے سے زیادہ پریشان کن اور تباہی کا باعث ہے۔

وجہ دوم

ابو اللیث السمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وصاحب خزینۃ الاسرار لکھتے ہیں:

الثابت ان یعلم بغیر شرط فان اھدی الیہ قبلہ یجوز اجماعا لان النبی ﷺ کان معلما لخلق یقبل الھدایۃ۔ بستان الفقیہ ابی اللیث ثم خزینۃ الاسرار (٦٢)

ابو اللیث السمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وصاحب خزینۃ الاسرار فرماتے ہیں:

یہ بات تو ثابت ہے کہ معلم بغیر اجرت کے پڑھائے (اگر تلامذہ کے والدین عزیز و اقارب معلم کو) ھدیۃً کچھ پیش کریں تو معلم کو قبول کرنا چاہیئے، تمام علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے۔

تعلیم قرآن پر ہدیات کی قبولیت کے جواز پر ابو اللیث السمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وصاحب خزینۃ الاسرار معلم انسانیت جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو دلیل بناتے ہوئے لکھتے ہیں (لان النبی ﷺ کان معلما لخلق یقبل الھدایة) کہ حضور پرنور ﷺ تمام مخلوقات کے معلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عطا سے انہیں قرآن کریم کی تعلیم دی دیگر علوم کی تعلیمات سے مخلوقات خداوندی کے سینوں کو منور کیا بلکہ وہ کونسا علم ہے اور کس چیز کا علم ہے جو حضور پرنور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو نہ سکھایا ہو، یا نہ بتلایا ہو پھر بھی حضور پرنور ﷺ ہدیات قبول فرمایا کرتے تھے۔

سوال کے شق نمبر (۱) کا جواب

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

ان لفظ قالوا المعروف کالمشروط مشعر بضعف ھذہ القاعدۃ قال التفتازانی ان لفظ قالوا اشارۃ الیٰ ضعف ماقالوا۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں کہ (قالوا المعروف کالمشروط) میں لفظ (قالوا) ہی اس قاعدہ (المعروف کالمشروط) کے ضعف کی دلیل ہے، علامہ تفتازانی فرماتے ہیں کہ لفظ (قالوا) اس بات کی دلیل ہے کہ جو کچھ انہوں نے کہا وہ ضعیف ہے۔

صاحب فتاویٰ حامدیہ لکھتے ہیں:

لَفظُ قَالُوا یُستَعمَلُ فِیمَا فِیہِ اختِلَافُ المَشَایِخِ۔[288]

کہ لفظ (قالوا) اس مسئلہ کے لئے استعمال ہوتا ہے جس مسئلہ میں مشائخ کا اختلاف ہو۔

---

[288] العقود الدریة في تنقیح الفتاوی الحامدیة، ج ۲، ص ۳۳۳

صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

على ما قالوا اعادته في مثله إفادة الضعف مع الخلاف۔[289]

صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ کا یہ فرمانا (علی ما قالوا) اپنے مثل کی جانب اعادہ ہے اور یہ (علی ما قالوا) مسئلہ میں اختلاف وضعف کی جانب مشعر ہے۔

صاحب حموی لکھتے ہیں:

قال الحموی صرح المصنف فی فوائد الزینة بانه لا یجوز الفتویٰ بما یقتضیه الضوابط لانها لیس کلیة بل اغلبیة خصوصاً و هی لم تثبت عن الامام بل استخرجها المشائخ من کلامه۔ حموی

حموی فرماتے ہیں مصنف نے فوائد الزینہ (نامی کتاب) میں تصریح فرمائی ہے کہ فتویٰ (علم نحو، علم صرف، علم اصول، علم فقہ) کے قوائد وضوابط پر نہیں دیا جاتا، کیونکہ قواعد کا تعلق کلیات سے نہیں، بلکہ اغلبیات سے ہے، پھر یہ مسئلہ کہ طاعات پر اجارہ ناجائز ہے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا قول بھی نہیں بلکہ یہ تو مشائخ نے ان کے کلام سے استخراج کر کے کہا ہے۔

صاحب حموی دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

و فی موضع اٰخر من الحموی لا یحل الافتاء من القواعد و الضوابط و انما علی المفتی حکایة لنقل الصریح کما صرحوا۔

صاحب حموی دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ صرف قواعد وضوابط پر فتویٰ دینا جائز نہیں، بلکہ مفتی پر لازم ہے کہ وہ نقل صریح کے ساتھ فتویٰ دے، جیسے کہ علماء نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے۔

---

[289] فتح القدیر، ج۴، ص ۳۲۶

معلوم ہوا کہ (المعروف کالمشروط) کو اس مسئلہ میں اپنی دلیل بنانا صحیح نہیں، مزید بر آں قاعدہ مذکورہ (المعروف کالمشروط) اس قسم کی عبادات میں جاری نہ ہو گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمٰن ۶۰)

نیکی کا بدلہ کیا ہے مگر نیکی۔

قرآن کریم کی اس آیت سے ظاہر ہوا کہ ہم جس مسئلہ میں گفتگو کر رہے ہیں، وہ درست ہے اس لئے کہ قاری کا پڑھنا احسان (نیکی) ہے اور مرحوم کی جانب سے یا اپنی جانب سے کچھ دے دینا صدقہ ہے یہ بھی احسان (نیکی) ہے، یہ احسان کا بدلہ ہے احسان کے ساتھ، اس میں حرمت و ممانعت کہاں سے آگئی۔

احسان کرنا مامور بہ ہے

اللہ تعالیٰ دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْکَ (القصص ۷۷)

اور احسان کر جیسا اللہ نے تجھ پر احسان کیا۔

جب احسان کرنا مامور بہ ہے تو ماننا پڑے گا کہ قاری کا پڑھنا احسان (نیکی) ہے اور مرحوم کی جانب سے یا اپنی جانب سے کچھ دے دینا صدقہ ہے، یہ بھی احسان (نیکی) ہے، احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ، اس میں حرمت و ممانعت کہاں سے آگئی۔

احسان کرنا مامور بہ ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ (النحل ۹۰)

بے شک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی۔

جب احسان کرنا مامور بہ ہے تو ماننا پڑے گا کہ قاری کا پڑھنا احسان (نیکی) ہے اور مرحوم کی جانب سے یا اپنی جانب سے کچھ دے دینا صدقہ ہے یہ بھی احسان (نیکی) ہے، یہ احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ ہے، اس میں حرمت و ممانعت کہاں سے آگئی۔

احسان رحمت منان کا سبب ہے

اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ (الاعراف ۵۶)

بے شک اللہ کی رحمت نیکوں سے قریب ہے۔

قاری کا پڑھنا قربت الٰہی ہے اور مرحوم کی جانب سے یا اپنی جانب سے کچھ دے دینا صدقہ ہے یہ بھی قربت الٰہی ہے، اس میں حرمت و ممانعت کہاں سے آگئی۔

احسان سبب رحمت ہے

أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال رحم الله رجلا سمحا إذا باع و إذا اشترى و إذا اقتضى۔[290]

حضور پر نور ﷺ فرماتے ہیں اللہ رحم کرتا ہے اس سخی (احسان کرنے والے) پر جو خرید و فروخت کے وقت اور جب دوسرے پر قرضہ ہو تو اپنا قرضہ مانگنے کے وقت سخاوت و احسان کرنے والا ہو۔

حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوا کہ احسان کرنے والے پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے۔

---

[290] صحیح البخاری، ج ۲، ص ۷۳۰

تو قاری کا پڑھنا احسان (نیکی) ہے اور مرحوم کی جانب سے یا اپنی جانب سے کچھ دے دینا صدقہ ہے یہ بھی احسان (نیکی) ہے، یہ احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ، اس میں حرمت و ممانعت کہاں سے آگئی۔ بلکہ یہ تو دونوں کے لئے باعث رحمت الٰہی ہے۔

احسان بخشش کا ذریعہ ہے

حضور پرنور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد گرامی ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم غفر الله لرجل كان قبلكم كان سهلا إذا باع سهلا إذا اشترا سهلا إذا اقتضى۔[291]

حضور پرنور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں تم سے پہلے ایسا آدمی گزرا ہے کہ جب وہ خرید و فروخت کرتا تو آسانی (احسان) کرتا (دیتے ہوئے زیادہ دیتا، خرید کے وقت قیمت زیادہ دیتا) اور جب کسی پر قرضہ ہوتا تو تقاضہ کے وقت نرمی کرتا اس بناپر اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احسان کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بخشتا ہے۔

مخلوق پر احسان و مہربانی کرنے سے اللہ مہربان ہوتا ہے

حضور پرنور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد گرامی ہے:

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال (كان رجل يداين الناس فكان يقول لفتاه إذا أتيت معسرا فتجاوز عنه لعل الله أن يتجاوز عنا قال فلقي الله فتجاوز عنه۔[292]

حضور پرنور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں ایک تاجر (شخص) تھا، جو لوگوں کو قرضہ دیتا تھا وہ تاجر جب مقروض کو تنگ دست پاتا اور اپنے نوکر یا اولاد میں سے کسی نوجوان کو جب مقروض کے پاس قرضہ

---

[291] سنن الترمذی، ج۳، ص ۶۱۰

[292] صحیح البخاری، ج۳، ص ۱۲۸۳

لینے کے لئے بھیجتا تو وہ تاجر اس نوجوان سے کہتا کہ وہ قرض دار پر مہربانی سے پیش آئے، کیونکہ آج اگر ہم اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آئیں گے تو ہو سکتا ہے کہ کل اللہ تعالیٰ ہم پر مہربانی سے پیش آئے۔

میں کہتا ہوں کہ مانعین اس حدیث مبارکہ سے فائدہ اٹھائیں اور اعتراض کرنا ترک کر دیں۔

احسان کرنے والا مغفور رحیم ہے

هذا الحديث يدل على دوام عادته بالاحسان قال فی الكنز و غيره صح الزيادة فی الثمن و المبيح و الحط من الثمن

یہ حدیث دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ احسان کی عادت ہمیشہ ہر کام میں ہونی چاہئے جس طرح صاحب کنز لکھتے ہیں کہ خریدتے وقت پیسوں میں زیادتی کرنا بیعہ کی قیمت سے زیادہ پیسے دینا اور جو چیز بیچی اس کی متعین کردہ قیمت میں کمی کرنا یعنی خریدنے والے سے کم پیسے لینا اچھا ہے۔

یہ احسان ہے اور احسان کرنے والا مرحوم و مغفور ہے۔

صاحب الاشباہ لکھتے ہیں:

انه يعارض هذه القاعدة قاعدة اخرى صحيحة و قوية منها قال فی الاشباه الضروريات تبيح المحظورات و الحاجة تنزل منزلة الضرورة و جوزت الاجارة على خلاف القياس للحاجة, الاشباه۔

صاحب اشباہ فرماتے ہیں:

یہ قاعدہ (**المعروف کالمشروط**) اس قاعدہ ست متصادم ہے جو اس سے زیادہ صحیح اور مضبوط ہے، صاحب اشباہ فرماتے ہیں وہ یہ ہے (**الضروریات تبیح المحظورات**) کہ ضرورت اشیاء ممنوعہ کو مباح کر دیتی ہیں، اور حاجت، ضرورت کے قائم مقام ہے یعنی اگر مسلمان کسی شے کا محتاج ہو

جائے یعنی ایسا کام جس کے کرنے کی اسے حاجت پڑ جائے تو یقیناً یہ احتیاجی اس کی ضرورت ہے، بہت ساری ایسی اشیاء ہیں جو اسلام میں ممنوع ہیں مگر جب مسلمان اشیائے ممنوعہ کی طرف محتاج ہو جائے تو یہ احتیاجی اس کی ضرورت بن گئی، اب اگر وہ بصورت احتیاجی اس شے کو استعمال کرتا ہے یا وہ کام جو اسلام میں ممنوع ہے کرتا ہے تو چونکہ اس کی وہ احتیاجی اس کی ضرورت بن گئی ہے لہٰذا وہ کام جو ممنوع ہے اب اسے کرلینا ممنوع نہیں بلکہ بقدر ضرورت جائز ہے۔

لہٰذا فقہاء نے بوجہ ضرورت تعلیم قرآن و دیگر طاعات پر اجرت لینے کو علی خلاف قیاس جائز قرار دیا ہے، یعنی قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ تلاوت و تعلیم قرآن کریم چونکہ اعظم الطاعات ہیں سو تلاوت و تعلیم قرآن پر اجرت لینا ہر گز جائز نہ ہو مگر فقہاء نے اس قیاس کے خلاف فتویٰ دیا کہ تعلیم و تلاوت قرآن پر اجرت لینا جائز ہے۔

صاحب اشباہ لکھتے ہیں:

جُوِّزَ عَلَى خِلَافِ الْقِيَاسِ دَفْعًا لِحَاجَةِ الْمَفَالِيسِ۔[293]

(فقہاء) نے ناداروں کی ضرورت کے پیش نظر بیع سلم کو جائز قرار دیا حالانکہ یہ خلاف قیاس ہے۔

صاحب ھدایہ و کنز لکھتے ہیں:

ویجوز الانتفاع بشعر الخنزیر للضرورۃ، ھدایۃ والکنز وغیرھما۔

صاحب ھدایہ و کنز فرماتے ہیں:

سؤر کے بالوں سے بوجہ ضرورت فائدہ اٹھانا جائز ہے (حالانکہ سؤر کے بال بھی نجس العین ہیں مگر بوجہ ضرورت فقہاء نے سؤر کے بالوں سے فائدہ اٹھانے کو جائز لکھا ہے)۔

---

[293] الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ، ج ۱، ص ۷۹

صاحب اشباہ لکھتے ہیں:

الْمَشَقَّةُ تَجْلُبُ التَّيْسِيرَ وَ الْأَصْلُ فِيهَا قَوْله تَعَالَى يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمْ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيدُ بِكُمْ الْعُسْرَ وقَوْله تَعَالَى وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ۔[294]

صاحب اشباہ فرماتے ہیں کہ مشقت آسانی کی طرف لے جاتی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمْ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيدُ بِكُمْ الْعُسْرَ۔

اللہ تعالیٰ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر سختی نہیں چاہتا۔

نیز اللہ جل جلالہ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ۔

نہیں ہے تم پر دین میں کوئی تنگی۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر سختی نہیں چاہتا، نیز تم پر تمہارے دین میں کوئی تنگی یا تمہارا مشقت میں پڑ جانا نہیں چاہتا۔

سووہ قاعدہ (المعروف کالمشروط) اس مسئلہ میں صحیح نہیں۔

صاحب اشباہ لکھتے ہیں:

وَفِي حَدِيثِ {أَحَبُّ الدِّينِ إلَى اللَّهِ تَعَالَى الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ۔[295]

صاحب اشباہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارا و محبوب دین وہ ہے جو حق اور آسان ہو، اس میں شک نہیں کہ تلاوت قرآن کریم حق اور آسان ہے۔

---

[294] الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ، ج ۱، ص ۷۵

[295] الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ، ج ۱، ص ۷۵

صاحب اشباہ لکھتے ہیں:

قَالَ الْعُلَمَاءُ : يَتَخَرَّجُ عَلَى هَذِهِ الْقَاعِدَةِ جَمِيعُ رُخَصِ الشَّرْعِ وَتَخْفِيفَاتِهِ وعد عليها فرعات كثيرة حتىٰ قال وَطِينُ الشَّوَارِعِ وَأَثَرُ نَجَاسَةٍ عَسُرَ زَوَالُهُ وَبَوْلُ سِنَّوْرٍ فِي غَيْرِ أَوَانِي الْمَاءِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى و البحر اذا وقع فى المحلب و رمى قبل التفتت۔[296]

صاحب اشباہ فرماتے ہیں:

کہ اس قاعدہ کے پیش نظر وہ مسائل جن کی شریعت نے اجازت دی اور اس میں سختی کی بجائے تخفیف کی وہ سارے اس قاعدہ کے ضمن میں داخل ہو گئے، پھر فقہاء نے اس رخصت شرعی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فروعات کثیرہ کا ذکر کیا کہ وہ بھی معاف ہیں۔ مثلاً اگر بارش ہوئی ہو اور روڈ پر کیچڑ ہو اور وہ کیچڑ کپڑوں کو لگ جائے سو وہ معاف ہے (یعنی ان کپڑوں کے پلید ہونے کا حکم نہیں دیں گے) یوں ہی اگر پلیدی کا اثر (یعنی رنگ اگر دھلنے کے بعد بھی باقی ہو) اس کا زائل کرنا مشکل ہو تو فقہاء نے کہا ہے کہ وہ معاف ہے (یعنی آپ نے کپڑے سے پلیدی دھولی مگر اس کا رنگ زائل نہیں ہو رہا تو کوئی حرج نہیں اس میں نماز ہو جاتی ہے) یوں ہی بلی کا پیشاب اگر برتن کے اندر نہ ہو تو وہ معاف ہے یوں ہی اونٹ یا بکری کی مینگنی اگر دودھ کے برتن میں رہ جائے، اگر ثابت ہو تو اسے باہر نکال کر پھینک دیں، کوئی حرج نہیں، جب تک ریزہ ریزہ نہ ہوا ہو معاف ہے۔

صاحب فتح القدیر اور صاحب عینی لکھتے ہیں:

المعروف کالمشروط والا قاعدہ ہر جگہ کارآمد نہیں۔

---

[296] الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ، ج ۱، ص ۷۶

اس پر پہلی دلیل یہ ہے کہ:

لا یصدق (المعروف کالمشروط) فی کل موضع و الا لقال علمائنا ان التحلیل المنوی المعروف مکروہ بل عدم الکراھۃ بالاجماع۔ فتح القدیر و العینی۔

صاحب فتح القدیر اور صاحب عینی فرماتے ہیں:

کہ قاعدہ مذکورہ (المعروف کالمشروط) ہر جگہ صادق نہیں آتا (اگر ہر جگہ یہ قاعدہ سچا آتا تو پھر تحلیل مطلقہ ثلاثہ کے مسئلہ پر بھی سچا آتا)۔

پھر علماء احناف لا محالہ یوں کہتے کہ تحلیل منوی معروف مکروہ ہے مگر (فقہاء نے یہ نہیں فرمایا) بلکہ تحلیل منووی معروف کے عدم کراہت پر اجماع ہے (یعنی تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ تحلیل منووی معروف مکروہ نہیں)۔

صاحب اشباہ لکھتے ہیں:

المعروف کالمشروط والا قاعدہ ہر جگہ کارآمد نہیں۔

اس پر دوسری دلیل یہ ہے کہ:

وایضا لقال الامام ابو حنیفۃ و احمد و الشافعی انہ اذا اختلف رب الثواب و الصباغ فی الاجر و عدمہ ینظر الی العرف کما قال محمد و قالوا ان القول لرب التوب و ترکوا العرف کماھو مذکور فی المتون و الشروح فی باب الاجارۃ۔

صاحب اشباہ فرماتے ہیں:

(اگر ہر جگہ یہ قاعدہ المعروف کالمشروط صادق آتا تو پھر) امام اعظم، امام احمد، امام شافعی رحمھم اللہ تعالیٰ اس صورت میں (کہ جب کپڑے والا اور درزی میں اجرت کے بارے میں اختلاف ہو جائے یا کپڑوں کو رنگنے والے اور کپڑا دینے والے کے درمیان اجرت لینے اور نہ لینے کے بارے میں

اختلاف ہو جائے) تو امام محمد کا قول اس صورت میں یہ ہے کہ عرف کی طرف رجوع کیا جائے (یعنی اگر عرف میں پیسے لینے کا رواج ہو پھر تو کپڑے کو خراب کرنے کی صورت میں درزی سے کپڑے کے پیسے وصول کریں گے، اور یوں ہی اگر کپڑا رنگنے والے نے کپڑے کو دوسرا رنگ دے دیا جو کپڑا دینے والے کے منشاء کے مطابق نہ تھا تو امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک عرف کی طرف رجوع کریں گے (اگر عرف میں کپڑے کو دوسرا رنگ دینے کی صورت میں رنگ ساز ذمہ دار ہو تو پھر اس سے پیسے لیئے جائیں)۔

البتہ مذکورہ تینوں ائمہ (امام اعظم، امام احمد اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ) کے نزدیک مسئلہ یوں ہے کہ اختلاف کی صورت میں ہم عرف کو چھوڑیں گے، بلکہ ان دونوں صورتوں میں جو کپڑے کا مالک ہے اس کا قول معتبر ہے (وقالوا ان القول لرب الثوب وترکوا العرف) یہ بات فقہ کی تمام کتابوں کے متوزن اور شروح کے باب الاجارہ میں موجود ہے۔

طاعات وعبادات میں جیسے تعلیم قرآن و تلاوت قرآن کریم، اذان و امامت) پر اجرت کے مسئلہ میں (المعروف کالمشروط) کا قاعدہ سچا نہیں آتا یعنی اس مسئلہ میں عرف عام کو اعتبار نہیں، بلکہ عرف عام کو ترک کریں گے اور فقہاء کا جو فتویٰ ہے کہ ہمارے زمانے میں طاعات پر اجرت لینا جائز ہے اسی فتویٰ پر عمل کریں گے۔

صاحب اشباہ لکھتے ہیں:

قاعدہ مذکورہ (المعروف کالمشروط) بہت سارے مسائل کو شامل نہیں۔

سو یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ قاعدہ اغلبیہ ہے، یہ قاعدہ طاعات وعبادات کے بارے میں غیر مقبول ہے، دیکھیئے صاحب اشباہ لکھتے ہیں۔

قال فی الاشباہ لَوْ حَلَفَ لَا یَھْدِمُ بَیْتًا حَنِثَ بِھَدْمِ بَیْتِ الْعَنْکَبُوتِ حتی عد اربعة مسائل مثلہ۔

صاحب اشباہ فرماتے ہیں:

اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ میں گھر نہیں گراؤں گا، پھر اس نے مکڑی کا جالا توڑ ڈالا تو وہ حانث ہو گا (یعنی اس نے قسم توڑ ڈالی لہٰذا اس پر کفارہ ادا کرنا لازم ہوا)۔

دیکھئے! اس نے تو قسم کھائی تھی (لو و حلف لا یھدم بیتا) کہ میں گھر نہیں توڑوں گا پھر اس نے (ھدم بیت العنکبوت) مکڑی کا گھر توڑ ڈالا تو حانث ہو گا، غور فرمائیں کہ عرف عام میں مکڑی کے جالے کو گھر تو نہیں کہتے بلکہ اسے جالا کہا جاتا ہے، پھر بھی اس توڑنے سے فقہاء کے نزدیک وہ شخص حانث ہو گا۔

معلوم ہوا کہ یہ قاعدہ (المعروف کالمشروط) قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ قاعدہ اغلبیہ ہے یہ قاعدہ طاعات وعبادات کے بارے میں غیر مقبول ہے۔

(۲۵) ان تمام جوابات سے ثابت ہوا کہ وہ حسنات (نیکیاں) جن کے عاملین کو بہت بڑا اجر و ثواب ملتا ہے ان (طاعات وحسنات) پر اجرت لینا بالاجماع جائز ہے، مثلاً

(۱) جہاد پر مال غنیمت لینا بالاجماع جائز ہے۔

(۲) وصی اور قیم و ناظر کے لئے یتیم کے مال میں سے دستور و معروف طریقہ سے لے لینا اور اپنے مصرف میں صرف کرنا قرآن و سنت کی روشنی میں جائز ہے۔

(۳) مساجد و رباط (مسافر خانے) کی تعمیر پر اجرت لینا بالاجماع جائز ہے۔

(۴) قرآن کریم واحادیث کی کتابت پر اجرت لینا بالاجماع جائز ہے۔

تمہارا پیش کردہ قاعدہ(المعروف کالمشروط)مذکورہ بالا حسنات پر اجرت لینے کے جواز کی صورت میں غیر مقبول ہوا۔

اعتراض

(فان قیل) قال وقد اتفقت کلمتھم جمیعاً فی الشروح والفتاویٰ علی التعلیل بالضرورۃ وھو خشیۃ ضیاع القرأن کمافی الھدایۃ۔

سوال: جناب والا صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ تمام شروح اور کتب فتاویٰ اس بات پر متفق ہیں کہ (تعلیم قرآن کریم پر اجرت لینا) التعلیل بالضرورۃ ہے اور وہ یہ ہے کہ (اگر تعلیم قرآن پر اجرت نہ لی جائے تو) قرآن کریم کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے۔

تعلیل بالضرورۃ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کے ضائع ہونے کے خطرہ سے بچنے کے لئے فقہاء نے تعلیم قرآن کریم پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا اگر یہ وجہ نہ ہوتی تو پھر اس کے جواز کا بھی فتویٰ نہ دیتے۔

میں کئی وجوہ سے اس کا جواب دیتا ہوں

وجہ اول

صاحب اشباہ لکھتے ہیں:

قال فی الاشباہ والحاجۃ تنزل منزلۃ الضررۃ و جوزت الاجارۃ علی خلاف القیاس للحاجۃ، اشباہ۔

صاحب اشباہ فرماتے ہیں:

اور حاجت، ضرورت کے قائم مقام ہے۔(یعنی اگر مسلمان کسی شے کا محتاج ہو جائے یعنی ایسا کام جس کے کرنے کی اسے حاجت پڑ جائے تو یقیناً یہ احتیاج اس کی ضرورت ہے، بہت ساری ایسی

اشیاء ہیں جو اسلام میں ممنوع ہیں مگر جب مسلمان اشیاء ممنوعہ کی طرف محتاج ہو جائے تو یہ احتیاجی اس کی ضرورت بن گئی اب اگر وہ بصورت احتیاجی اس شے کو استعمال کرتا ہے یاوہ کام جو اسلام میں ممنوع ہے اور کوئی مسلمان وہ کام بوجہ حاجت کے کرلیتا ہے تو چونکہ وہ احتیاجی اس کی ضرورت بن گئی ہے لہٰذا وہ کام جو ممنوع ہے اب اسے کرلینا ممنوع نہیں بلکہ بقدر ضرورت جائز ہے)۔

سو بیمار کی شفایابی کے لئے قرآن شریف پڑھنا یا پڑھانا حاجت ہے، یوں ہی مرحوم کی مغفرت کے لئے قرآن کریم پڑھنا بھی حاجت ہے، اسی طرح مصیبت زدہ کے لئے مصائب و آلام سے نجات کے لئے قرآن کریم پڑھنا یا پڑھانا بھی حاجت ہے، اور یہ حاجت بطریق اولیٰ ضرورت ہے، سو شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول کہ قراءت مجردہ کی ضرورت نہیں، یہ تفریع غلط و موقع محل کے خلاف ہے۔

وجہ دوم

صاحب اشباہ لکھتے ہیں:

وجواز السلم علی خلاف القیاس لحاجۃ المفالیس۔ الاشباہ

فقہاء نے ناداروں کی ضرورت کے پیش نظر بیع سلم کو جائز قرار دیا حالانکہ یہ خلاف قیاس ہے۔

سو بیمار کی شفایابی کے لئے قرآن شریف پڑھنا یا پڑھانا حاجت ہے، یوں ہی مرحوم کی مغفرت کے لئے قرآن کریم پڑھنا یا پڑھانا (یہ بھی) حاجت ہے، اسی طرح مصیبت زدہ کے لئے مصائب و آلام سے نجات کے لئے قرآن کریم پڑھنا یا پڑھانا (یہ بھی) حاجت ہے، اور یہ حاجت بطریقہ اولیٰ ضرورت ہے، سو شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول کہ قراءت مجردہ کی ضرورت نہیں، یہ تفریع غلط و موقع محل کے خلاف ہے۔

وجہ سوم

صاحب ہدایہ، وکنز لکھتے ہیں:

فیجوز الانتفاع بشعر الخنزیر للضرورۃ۔ هدایة والکنز وغیرهما۔

صاحب ہدایہ وکنز فرماتے ہیں:

سؤر کے بالوں سے بوجہ ضرورت فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ (حالانکہ سؤر کے بال بھی نجس العین ہیں، مگر بوجہ ضرورت فقہاء نے سؤر کے بال سے فائدہ اٹھانے کو جائز لکھا ہے)۔

سو بیمار کی شفایابی کے لئے قرآن شریف پڑھنا یا پڑھانا حاجت ہے، یوں ہی مرحوم کی مغفرت کے لئے قرآن کریم پڑھنا یا پڑھانا (یہ بھی) حاجت ہے، اور یہ حاجت بطریق اولیٰ ضرورت ہے، سو شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول کہ قراءت مجردہ کی ضرورت نہیں، یہ تفریع غلط وموقع محل کے خلاف ہے۔

وجہ چہارم

اے اعتراض کرنے والے تونے ضرورت کو صرف ضیاع قرآن سے مخصوص کیا۔

تمہاری یہ تخصیص غلط ہے، (یعنی تم نے کہا کہ تعلیم قرآن کریم پر اجرت لینا) (التعلیل بالضرورۃ) ہے اور وہ یہ ہے کہ (اگر تعلیم قرآن پر اجرت نہ لی جائے تو) قرآن کریم کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، یہ تخصیص صرف قرآن کریم کے ساتھ غلط ہے بلکہ جمیع طاعات نفلیہ اس میں شامل ہیں۔

صاحب عینی لکھتے ہیں:

وبعض مشایخنا وهم أئمة بلخ - رَحِمَهُمُ اللَّهُ - استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم لأنه ظهر التواني أي الفتور والكسل في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن

لأن المتقدمين منعوا ذلک لرغبة الناس في التعليم حسبه ومروءة في مجازاة الإحسان بالإحسان بلا شرط وقد زال ذلک، ففي هذا الزمان في الامتناع عنه تضييع حفظ القرآن۔ وقد تغير الجواب باختلاف الزمان فيفي بذلک إذا ضربوا مدة بذلک حتى يجبر الأب على دفع الأجر إلى العلم وإن لم تضرب أجر المدة بحسب أجر المثل، ويجبر على دفعه وكذا يجبر على الخلوة المرسومة۔ فائدة: الخيزاخزي بفتح الخاء المعجمة وسكون الياء آخر الحروف وفتح الزاي المعجة والخاء الثانية وكسر الزاي الثانية نسبة إلى قرية خيزاخز من قري بخارى واسمه عبد الله بن الفضل كان مفتي بخارى ولم يقع لي تاريخ وفاته۔ وعليه الفتوى۔[297]

بلخ کے ائمہ ومشائخ نے قرآن کریم کی تعلیم پر اجرت لینے کو اچھا جانا ہے کیونکہ (امور دینیہ) میں سستی ظاہر ہونے لگی، سو اجرت کی منع کی صورت میں قرآن کریم کے حفظ (ودیگر طاعات) کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، اگرچہ متقدمین علماء نے اجرت کو منع کیا تھا، مگر یہ انکار زمانہ تھا کہ ان کے زمانے میں لوگ نیکی کا بدلہ نیکی سے بلا اجرت دیا کرتے تھے، جبکہ ہمارے زمانے وہ رغبت معدوم ہو چکی ہے، نیز حالات کے بدلنے سے مسائل میں بھی تبدیلی آتی ہے۔

سو آج فتویٰ اس پر ہے کہ اگر شاگرد نے پڑھنے کا وقت معین کیا ہو تو اسے معلم کی اجرت دینے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر مدۃ معین نہ ہو تو تع پھر اجرت مثلی دیا جائے گا (اجرت مثلی کا مطلب یہ ہے کہ اس علاقہ میں استاد کو مطلوبہ تعلیم پر جو کچھ دیا جاتا ہے اتنا ہی دینا پڑے گا۔) دلیل مذکورہ سے تمہاری تخصیص غلط ثابت ہوئی۔

[297] البناية شرح الهداية، ج ۹، ص ۳۴۲۔ المكتبة التجارية، مصطفى احمد الباز، المكة المكرمة۔

دوسرا جواب

صاحب روح البیان وخزینۃ الاسرار لکھتے ہیں:

وقالوا في زماننا تغير الجواب في بعض مسائل لتغير الزمان وخوف اندراس العلم والدين منها ملازمة العلماء أبواب السلاطين ومنها خروجهم إلى القرى لطلب المعيشة ومنها أخذ الأجرة لتعليم القرآن والأذان والإمامة ومنها العزل عن الحرة بغير إذنها ومنها السلام على شربة الخمور ونحوها فأفتى بالجواز منها خشية الوقوع فيما هو أشد منها وأضر۔[298]

صاحب روح البیان فرماتے ہیں:

(کہ متقدمین کے زمانے میں لوگ نیکیوں کے کاموں میں بلا اجرت رغبت رکھتے تھے، سو ان کا اجرت لینے کو منع کہنا اس زمانے کے لحاظ سے صحیح تھا سائلین کو ممانعت کا جواب دینا ان کے زمانے کے لحاظ سے بالکل درست تھا جبکہ) ہمارے زمانے میں (لوگوں کی طبیعتوں میں تغیر و تبدل کی وجہ سے) بعض مسائل کا جواب بھی متغیر ہو گا (بلکہ ہمارے زمانے میں) لوگوں کی دین کی طرف رغبت میں کمی اور سستی و کاہلی اس حد تک پہنچی کہ اس بات کا خوف پیدا ہوا کہ بے رغبتی اور سستی و کاہلی کی بنا کہیں دین و اسلام منہدم نہ ہو جائے۔

سو علماء (احناف) نے بوجہ خوف کے (کہ کہیں دین و اسلام منہدم نہ ہو جائے) مذکورہ مسائل (طاعات پر اجرت لینے) کے بارے میں جواز کا فتویٰ دیا۔

---

[298] تفسیر روح البیان-موافق للمطبوع، ج ١، ص ٩٥-دار إحياء التراث العربی

اس لئے کہ دین کا بتامہ منہدم ہونے سے (بہتر ہے کہ جواز کا فتویٰ دیا جائے اور دین کو منہدم ہونے سے بچایا جائے) کیونکہ دین کا منہدم ہونا (نعوذ باللہ) اجرت کے لینے سے زیادہ پریشان کن اور تباہی کا باعث ہے۔

دلیل مذکورہ سے بھی تمہاری تخصیص غلط ثابت ہوئی۔

اعتراض

وقد اتفقت کلمتھم جمیعاً علی التصریح باصل المذھب من عدم الجواز ثم استثنوا بعد ما علمته فھذا دلیل قاطع و برھان ساطع علیٰ ان المفتیٰ بہ لیس ھو جواز الاستیجار علی کل طاعۃ بل علی ما ذکروہ فقط مما فیہ ضرورۃ ظاھرۃ تبیح الخروج عن اصل المذھب۔

سوال: جناب والا! تمام علماء احناف اصل مذہب کی تصریح پر متفق ہو گئے، کہ اصل مذہب کے مطابق (طاعات پر اجرت) لینا جائز نہ (تھا) سو انہوں نے (بعض) مسائل کو منع کے فتویٰ سے مستثنیٰ قرار دیا۔

سو یہ دلیل قاطع اور دلیل ساطع ہے کہ تمام طاعات پر اجرت لینا مفتیٰ بہ قول کے مطابق جائز نہیں، سوائے ان طاعات کے جنہیں فقہاء نے اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، کیونکہ اس کی ضرورت ظاہر ہے۔ سو یہ ضرورت ہی اصل مذہب (یعنی مفتۃ بہ قول سے) خروج کا سبب بنا۔

قلنا فی الجواب بوجوہ

ہم کئی وجوہ سے اس کا جواب دیتے ہیں

وجہ اول

پہلا جواب یہ ہے کہ قول اول میں بحمدہ تعالیٰ چودہ کتابوں سے ثابت کر آیا ہوں کہ فقہاء کے اس قول (لایجوز الاستیجار) کا مرادی معنیٰ (یحرم) یا (یکرہ) نہیں بلکہ اس کا مرادی معنی (لایجب الاجر) ہے، سواسے حرام یا مکروہ کہنا لغو ہو گیا۔
تفصیل درکار ہو تو دیکھئے قول اول جو گزر چکا ہے۔

وجہ دوم

دوسرا جواب یہ ہے کہ استثناء کے لئے ان الفاظ کا استعمال (ثم استثنوا)(فان الأستثناء من ادوات العموم)غلط فاحش ہے، کیونکہ کتابوں میں استثناء کے لئے یہ الفاظ موجود نہیں۔
سواپنے مطلوب فاسد کے حصول کے لئے ان الفاظ کا غلط استعمال علماء کی شان کے لائق نہیں۔

وجہ سوم

کہ معترض کے اس قول سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ معترض نے (المفتٰی بہ لیس بہ جواز الاستیجار علی کل طاعۃ) سے مراد یہ لیا ہے کہ
متأخرین فقہاء کا مفتٰی بہ قول یہ ہے کہ (طاعات پر اجرت لینا) جائز بلا وجوب ہے، اس عبارت (لیس بہ جواز الاستیجار علی کل طاعۃ) سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط ہے۔
کیونکہ میں نے قول دوم میں اکیس کتابوں کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ متأخرین فقہاء کا مفتٰی بہ قول وجوب الاجرۃ ہے، اور اس کے ضمن میں ہی جواز موجود ہے۔ سو اس سے خوب ظاہر ہوا کہ اصل مذہب جواز الاستیجار بلا وجوب ہے۔

اور متأخرین کا مفتیٰ بہ قول وجوب الاجرۃ ہے اسی کے ضمن میں جواز پایا جارہا ہے، سو متأخرین کا قول دلیل قاطع وساطع ہے۔

کیونکہ اصل مذہب بھی یہی ہے کہ طاعات پر اجارہ جائز بلا وجوب ہے تو متأخرین کے قول اور اصل مذہب میں تطبیق پائی گئی سو معترضین کا قول **لیس جواز الاستیجاز علی کل طاعۃ** سے متأخرین کا مفتی بہ قول جواز بلا وجوب لینا غلط ہے۔

اعتراض

وما عذی لحاوی الزاھدی من انه لایجوز الاستیجار علیٰ اقل من خمسة و اربعین درھمافخارج عمااتفق علیه اھل المذاھب قاطبة۔

حاوی الزاہدی فرماتے ہیں کہ استیجار پینتالیس درہم سے کم جائز نہیں، سو یہ بات اہل مذہب کے اس مسئلہ سے خارج جس پر اہل مذہب کا اتفاق ہے۔

میں کئی وجوہ سے اس کا جواب دیتا ہوں

وجہ اول

پہلا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ مبسوط کا ہے اور مبسوط سے کواشی نے نقل کیا پھر کواشی سے خزینۃ الاسرار نے نقل کیا ہے، حالانکہ مذہب وہی ہے جو ظاہر الروایۃ ہے لہٰذا معترض کا اعتراض غلط ہے، دیکھئے صاحب کواشی لکھتے ہیں۔

وفی الکواشی المستاجر للختم اقل من خمسة و اربعین درھما شرعیا ھذا اذا لم یسم شیئا من الاجر کما ذکرہ فی الاصل ای المبسوط فی رجل قال للقاری اختم القراٰن لی ولم یسم شیئامن الاجر و ختمه ولیس له ان یأخذ اقل من خمسة و اربعین درھما لمخالفة النص الا ان یھب الاجیر للمستأجر مافوق المسمیٰ الیٰ خمسة و اربعین بعد العقد علیه او شرط ان

یکون ثواب ما فوقه لنفسه فلا یأثم فعلی هذا لو قال القاری اقرأ ختما بقدر ما قدرت من الاجر حین امره المستأجر بالختم باقل من خمسة و اربعین درهما فقرأ من القراٰن ذلک المقدار من الثلث او الربع او النصف او نحوها فلا یأثم و هذا مما یجب حفظه لا بتلاء العوام و الخواص بذٰلک۔ (خزینة الاسرار)

اور کواشی میں ہے کہ اگر کسی نے ختم قرآن کریم پر اجرت طے نہیں کی (اور ختم کر لیا) تو اسے چاہئے کہ وہ پینتالیس درہم سے کم نہ لے، یہ مسئلہ مبسوط میں کچھ اس طرح مذکور ہے۔

اگر کسی نے قاری سے کہا کہ میرے لئے قرآن کریم ختم کر اور اجرت مقرر نہ کی تو قاری کو چاہئے کہ نص کے مطابق پیتالیس درہم سے کم نہ لے۔

ہاں اگر پینتالیس درہم سے زیادہ دیتا ہے، بعد اس کے کہ قاری کے ساتھ معاہدہ ہوا تھا یا قاری نے یہ شرط لگائی تھی کہ اس مقدار سے زیادہ پڑھوں گا تو زیادہ کا اجر و ثواب میرے لئے ہی ہو گا۔

اس صورت میں اگر متعین کردہ دراہم سے زیادہ خدمت کرتا ہے اور قرآن پڑھنے والا زیادہ لے لیتا ہے تو وہ گناہگار نہیں، اس پر تفریع بٹھاتے ہوئے مصنف لکھتا ہے کہ اگر اجیر نے مستأجر سے کہا کہ میرے لئے پینتالیس دراہم سے کم میں قرآن پڑھ، اور قاری نے کہا کہ میں جتنی مقدار میں پڑھنے پر قادر ہوا پڑھوں گا، پھر قاری نے ایک اندازے کے مطابق پینتالیس درہم کا نصف یا تہائی یا چوتھائی کی مقدار میں تلاوت کی، تو وہ اس متعین کردہ مقدار کے مطابق اجیر سے اجرت لے تو گنہگار نہیں۔

اس مسئلہ کو محفوظ کرنا ضروری ہے کیونکہ عوام و خواص سب کو ہی اس کی ضرورت ہے۔

اعتراض

فاذا علمت ذلک ظھر لک حقیقة ما قلناه و ان خلافه خارج من المذهب و مما افتی به البلخیون و ما اطبق علیه ائمتنا متونا و شروحا و فتاوی۔

سوال: جناب والا! متون اور شروح اور ہمارے آئمہ کا اتفاق اور جس پر بلخی فقہاء احناف نے فتویٰ دیا ہے اس سے حقیقت مسئلہ ظاہر ہوا۔ اس کی مخالفت مذہب سے خروج ہے۔

میں کئی وجوہ سے اس کا جواب دیتا ہوں

وجہ اول

وجہ اول یہ ہے کہ یہ عبارت (فاذا علمت ذالک ظھر لک حقیقة ما قلنا) اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قبر کے پاس قرآن کریم پڑھنے کی اگر کوئی وصیت کرلے تو یہ وصیت باطل ہے۔ اس عبارت سے وصیت کا بطلان ثابت کرنا غلط ہے۔

کیونکہ میں بحمدہ تعالیٰ کئی کتابوں کے حوالوں سے ثابت کرچکا ہوں کہ وصیت کے بطلان کا قول، قول مرجوع ہے جب کہ مختار قول یہ ہے کہ یہ وصیت درست ہے سو یہ قول (ظھر لک حقیقة ما قلنا) باطل ہے۔

وجہ دوم

دوسری وجہ یہ ہے کہ فروع اور عملیات اور ہیں اور اصول واعتقادیات اور ہیں، قبروں کے پاس قراءت مجردہ، فروع و عملیات کے اقسام سے ہے نہ کہ اصول واعتقادیات کے اقسام میں سے سو اس مسئلہ فرعیہ میں لفظ (حقیقة) کہنا واستعمال کرنا اس لئے غلط ہے کہ لفظ (حقیقت وحق) کے استعمال کا تعلق عقائد سے ہے جبکہ قبروں کے پاس قراءت مجردہ، فروع و عملیات کی اقسام سے ہے نہ کہ اصول

واعتقادیات سے، سو اس لفظ کا یہاں استعمال بے جا ہے، کیونکہ فروع میں لفظ (صواب) استعمال ہوتا ہے۔(جو یہاں موجود نہیں)

صاحب اشباہ لکھتے ہیں:

وفی الاشباہ اذا سئلنا عن مذھبنا و مذھب مخالفنا۔

بِأَنَّ مَذْهَبَنَا صَوَابٌ يَحْتَمِلُ الْخَطَأَ وَمَذْهَبُ مُخَالِفِينَا خَطَأٌ يَحْتَمِلُ الصَّوَابَ وَإِذَا سُئِلْنَا عَنْ مُعْتَقَدِنَا وَمُعْتَقَدِ خُصُومِنَا فِي الْعَقَائِدِ يَجِبُ عَلَيْنَا أَنْ نَقُولَ الْحَقُّ مَا نَحْنُ عَلَيْهِ وَالْبَاطِلُ مَا عَلَيْهِ خُصُومُنَا۔[299]

اگر ہم احناف سے ہمارے مذہب اور مخالفین کے مذہب کے بارے میں سوال کیا جائے، تو ہم سائل کے جواب میں کہیں گے کہ ہمارا مذہب بالکل درست ہے (ہاں) خطا کا احتمال ممکن ہے جبکہ مخالفین کا مذہب ہی غلط ہے اگرچہ صواب (یعنی درست ہونے کا) احتمال ہے۔

مگر جب سائل ہم سے ہمارے اور ہمارے مخالفین کے عقائد کے بارے میں سوال کرے گا تو ہم لازماً یہی جواب دیں گے کہ بحمدہ تعالیٰ ہمارا عقیدہ سچا اور حق ہے۔

جبکہ مخالف کا عقیدہ باطل ومردود ہے۔

دیکھا آپ نے کہ لفظ (حق) کا تعلق عقائد سے ہے نہ کہ فروع اور عملیات سے۔

ثابت ہوا کہ مسائل فرعیہ میں لفظ (حقیقۃ) کہنا و استعمال کرنا غلط ہے، جب معترض کو یہ علم نہیں تو اس کے دیگر اقوال پر کیا اعتماد کیا جائے گا۔

---

[299] الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ، ج ۱، ۳۸۱

وجہ سوم

کہ یہ کہنا (وان خلافه خارج) یقیناً غلط ہے کیونکہ لایجوز الاستیجار کا معنیٰ مذہب اور متون وشروح وفتاویٰ میں یہ ہے ای (لایجب الاجر)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسا اجارہ منعقد نہیں ہوتا کیونکہ ایسے اجارہ صریحہ کا عدم انعقاد بوجہ ایجاب و قبول اور شرائط کے ہوتے ہوئے منعقد نہیں یعنی وجوب اجرۃ نہیں سو عدم انعقاد کی صورت میں نہ تو اجیر پر اجرت دینا واجب ہے اور نہ ہی مستاجر کا اجیر سے کچھ لینا واجب، اور جو دیا جاتا ہے وہ اس طرح ہے کہ ایک طرف سے تالی قرآن کریم نے تلاوت کی، پھر جانب ثانی نے تالی قرآن کی خدمت کی، سو یہ تو قرآن کریم کی آیت پر عمل ہے۔(هل جزاء الاحسان الا الاحسان) نیکی کا بدلہ نیکی ہے، قرآن پڑھنے والے نے تلاوت کے ذریعے صاحب خانہ کے ساتھ احسان کیا اور صاحب خانہ نے خدمت کے ذریعے احسان کیا نیز اس کی مکمل وضاحت میں نے المعروف کالمشروط کی بحث میں کر دی ہے کہ متقدمین نے اس آیت مبارک کی دلیل سے جانبین کے اعمال کو درست قرار دیا ہے۔

یعنی قاری کا قرآن کریم کی تلاوت اور صاحب خانہ کا قاری کی خدمت کرنا دونوں جائز ہیں۔

وجہ چہارم

چوتھی وجہ یہ ہے

کہ مفتٰی بہ قول کے مطابق اجارہ کا عقد (معاہدہ) منعقد نہیں ہوتا ہے، اس سے یقیناً اجرت واجب ہوئی، مگر ہمارے زمانے میں عقدی اجارہ صریحہ نہیں ہے اور نہ ہی شرط کے الفاظ، لہٰذا مفتٰی بہ قول کی مخالفت نہ ہوگی۔

اعتراض

وما استدل بہ بعض المحشین علی الجواز بحدیث البخاری فی اللدیغ فھو خطاء لان المتقدمین من المانعین الاستیجار جوز وا الرقیة بالاجرة ولو با القرآن کما ذکرہ الطحطاوی، لانھا لیست عبادة محضة بل من التداوی۔

سوال: جناب والا! بعض محشی حضرات نے بخاری کی روایت کردہ وہ حدیث جس میں ایک شخص کو سانپ نے کاٹا تھا اور صحابہ کرام نے دم کرنے کے بدلے بکریوں کی خاصی تعداد لی تھی اس حدیث کو اجرت لینے کے لئے دلیل بنایا ہے جبکہ اس حدیث کو طاعات پر اجرت لینے کی دلیل بنانا غلط ہے کیونکہ وہ فقہاء جو تعلیم قرآن کریم یا طاعات پر اجرت لینے کو منع لکھتے ہیں انہوں نے دم کرنے پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے اگرچہ قرآن کریم کے ساتھ دم کیا جائے۔ کیونکہ قرآن کریم عبادۃ محضۃ نہیں بلکہ قرآن کریم من جانب اللہ شفاء بھی ہے لہذا یہ بیماریوں کے علاج کے لئے بھی ہے۔

(میں کئی وجوہ سے اس کا جواب دیتا ہوں)

وجہ اول

معترض کا یہ کہنا (وما استدل بہ بعض المحشین) غلط ہے:

یعنی معترض کا یہ کہنا کہ بعض محشیوں نے اس حدیث سے اجرت کے لینے کو جواز کی دلیل بنائی ہے، یہ "بعض" کا لفظ غلط ہے، بلکہ خزینة الاسرار کی عبارت یوں ہے، دیکھیں وہ فرماتے ہیں کہ تینوں آئمہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) اور متاخرین علماء احناف نے ان احادیث سے جو احادیث اللدیغ (جسے سانپ یا بچھو نے کاٹا تھا اور صحابہ کرام نے دم کیا اور اس دم پر اجرت لی تھی) کو اپنی دلیل بنایا ہے (جبکہ یہ احادیث اتنی معتبر اور قوی ہیں، جنہیں

حضرت ابو سعید الخدری عنہ ، حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے روایت کیا ہے)سو ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)اور متاخرین علماء احناف کے استدلال کو(**بعض المحشین**) کہنانہایت توہین آموز ہے،

خزینۃ الاسرار کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

الائمۃ الثلاثۃ والعلماء متاخرون من الحنفیۃ استدلوا فی اخذ الاجرۃ بھذہ الحدیث، خزینۃ الاسرار (ص ٦٦) ای احادیث اللدیغ المرویۃ عن ابی سعید الخدری و ابن عباس و ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔

وجہ دوم

دوسری وجہ یہ ہے

کہ معترض کا یہ کہنا(**فھو خطاء**)غلط ہے،اس لئے کہ معترض کا مقصد یہ ہے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ صحیح ہے، رہا ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)کا قول یا متاخرین علماء احناف کا قول غلط ہو بلکہ بالیقین معترض کا قول ہی غلط ہے (یعنی ایسا ہر گز نہیں ہو سکتا کہ معترض کا قول ہی درست ہو اور **نعوذ باللہ** ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کا قول یا متاخرین علماء احناف کا قول غلط ہو بالیقین معترض کا قول ہی غلط ہے۔

وجہ سوم

تیسری وجہ یہ ہے

کہ معترض کا یہ کہنا (لان المتقدمین من المانعین الاستیجار) اس عبارت میں لفظ "المانعین" کو استعمال کرنا غلط ہے اس لئے کہ میں قول اول میں واضح کر آیا ہوں ہ علماء متقدمین کے اس قول کا معنی مروی ہے (لا اجیب الاجرھے نہ کہ یحرم اور نہ یکرہ اور نہ یمنع ممعکر۔

(یعنی علماء متقدمین کے لئے مانعین کا لفظ استعمال کرنا غلط ہے، وہ مانعین نہیں بلکہ ان کے اس قول میں جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ استیجار جائز نہیں کا مقصد یہ ہے کہ یہ اجارہ واجب نہیں انہوں نے یہ کب کہا ہے کہ یہ اجارہ حرام ہے یا یہ اجارہ مکروہ ہے یا یہ اجارہ منع ہے۔ تو اپنی جانب سے علماء متقدمین کو مانعین کے لفظ سے نوازنا کہاں کا انصاف ہے۔

وجہ چہارم

چوتھی وجہ یہ ہے

کہ معترض کا یہ لکھنا (جوزوا الرقیۃ بالاجرۃ) یہ ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) اور متاخرین علماء احناف کے استدلال کا اقرار ہے۔

(یعنی اے معترض تو نے بھی تسلیم کر لیا کہ علماء متقدمین نے دم و تعویذات پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے تو پھر تو نے اس عبارت سے ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور متاخرین علماء احناف کے استدلال کا اقرار کر لیا، تعلیق مترجم)

وجہ پنجم

معترض کا یہ لکھنا (لانها ليست عبادة محضة) بھی غلط ہے کیونکہ سورہ فاتحہ یقیناً قرآن کریم ہے۔

وجہ ششم

چھٹی وجہ یہ ہے

کہ معترض کا یہ لکھنا (بل من التداوی) بھی غلط ہے، کیونکہ علم طب میں تداوی ان اشیاء کو کہا جاتا ہے جو بیماریوں سے صحتیابی کے لئے استعمال کی جاتی ہیں) جب تو نے سورۃ فاتحہ کو تداوی کہہ دیا پھر تو آپ اس آیت مبارکہ (وننزل من القرآنماهو شفاء ورحمت) کو دلیل بنا کر پورے قرآن کو تداوی کہو گے۔

اعتراض

قوله استدل الشافعی انه صلى الله عليه وآله وسلم زوج بما معه من القرآن، متفق عليه (الىٰ قوله)

قلت: الجواب الاول انه ليس فيه تصريح بان التعليم صداق فيحتمل انه زوجها اياه بغير صداق اكراماله وتعظيما للقرأن۔

جناب والا! اس حدیث سے جس میں فرمایا گیا ہے کہ حضور پر نور ﷺ نے (ایک زوجہ مبارکہ سے) قرآن کریم کے اتنے حصہ کے عوض نکاح کیا جتنا (اس وقت نازل ہوا تھا اور) ان کے پاس تھا، امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

معترض کہتا ہے سو میں اس کا جواب دیتا ہوں کہ قرآن کریم عوض نہیں بن سکتا) کیونکہ اس کلام میں کوئی تصریح نہیں کہ تعلیم قرآن مہر ہو، نیز اس کلام میں یہ احتمال ہے کہ حضور پر نور ﷺ

نے اس زوجہ مبارکہ سے بغیر مہر کے نکاح فرمایا ہو(ہو سکتا ہے کہ اس زوجہ مبارکہ کا نکاح بغیر مہر کے من جانب اللہ اپنے نبی ﷺ) کا اکرام ہو، اور تعلیم قرآن برائے تعظیم قرآن ہو۔

جواب

میں اس کا جواب دیتا ہوں

کہ جناب والا! اس حدیث میں تصریح ہے کہ تعلیم قرآن مہر ہے، کیونکہ اس حدیث کی عبارت یوں ہے(زوج بما معه من القرأن)، حضور پرنور ﷺ نے قرآن کریم کے اس حصہ مبارک کے عوض اس خاتون سے نکاح کیا جو حصہ اس وقت تک ان کے پاس موجود تھا، بما میں حرف (ب) برائے عوض، یا برائے بدل ہے۔ جس طرح بیع و شراء میں یہی حرف (ب) برائے عوض، یا برائے بدل، ثمن پر داخل کرتے ہیں، (جیسے کوئی کہے اشتریت القلم بعشرۃ دراهما۔ خریدا میں نے قلم دس روپے کے عوض، دیکھا آپ نے کہ یہاں بھی "حرف ب" برائے عوض ہے، اسی طرح زوج بما معه میں بھی "ب" برائے عوض ہے، یا بدل ہے، تعلیق مترجم)

ثابت ہوا کہ اس حدیث میں قرآن کریم کا مہر کے عوض ہونا ظاہر متبادر ہے، اور کلام کو ظاہر متبادر پر محمول کرنا واجب ہے، کیونکہ تبادر حقیقت کے اقویٰ علامات مں سے قوی علامت ہے (جیسے کہ مختصر المعانی صفحہ نمبر ۲۳۴ میں ہے)۔

ان دلائل سے یہ احتمال باطل ہو گیا کہ حضور پرنور ﷺ نے بغیر مہر نکاح فرمایا، نیز یہ احتمال بھی باطل ہوا کہ اس حدیث (زوج بما معه من القرأن) میں بما میں "ب" "بمعنیٰ" "ل" کے ہو۔ نیز یہ احتمال بھی باطل ہوا کہ اس زوجہ محترمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنا مہر حضور پرنور ﷺ کو بخش دیا ہو، پھر یہ جتنے احتمالات معترض نے بیان کئے ہیں یہ تمام کے تمام ناشی بلا دلیل ہیں، جبکہ حمل معنیٰ

حقیقی پر واجب ہے،ہاں معنیٰ حقیقی پر حمل کرنا اس وقت صحیح نہیں کہ معنیٰ حقیقی پر حمل کرنا محال ہو گیا ہو یا معنی حقیقی متعذر ہو، جبکہ یہاں معنیٰ حقیقی پر حمل کرنا نہ تو محال ہے اور نہ معنیٰ حقیقی متعذر ہے سو معنیٰ حقیقی پر حمل کرنا واجب ٹھہرا، اور وہ ہے قرآن کریم کا وہ حصہ جو حضور پر نور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس موجود تھا کے عوض نکاح کا منعقد ہونا، قرآن کریم ہی مہر کا عوض ہوا۔ تعلیق مترجم)

اعتراض

لا نسلم ان جواز الاجر فی الرقیٰ یدل علی جواز التعلیم بالاجر و الحدیث انما ھو فی الرقیۃ۔

جناب والا! دم (و تعویذات) پر اجرت لینے کے جواز کو ہم تعلیم قرآن کے جواز پر قیاس نہیں کر سکتے (یعنی اگر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانے میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سانپ یا بچھو کے کاٹے ہوئے آدمی کو دم کیا تھا اور اس کے بدلے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اجرت لی تھی اور اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس میں سے اپنا حصہ بھی طلب فرمایا تھا تو دم کرنے کی اجرت کے جواز کو) تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے جواز کے لئے دلیل نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ وہ اجرت صرف "دم" تک محدود ہے نہ کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو شامل، سو ہم تمہارا یہ قیاس تسلیم نہیں کرتے۔

جواب

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ ان احق ما اخذتم (الیٰ آخرہ) قال العینی فیہ جواز اخذ الاجرۃ لتلاوۃ القرأن و للتعلیم و الرقیٰ ایضاً لعموم اللفظ، عینی البخاری۔

ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ کما مر فی الاحادیث عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

دیکھئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو حدیث مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں(ان احق ما اخذتم)اس حدیث کے ذیل میں علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم کی تعلیم نیز تلاوت قرآن کریم (کسی کے گھر میں ہو یا عند القبر ہو) اور دم و تعویذات پر اجرت لینا جائز ہے، کیونکہ یہاں لفظ کا عموم دلالت کرتا ہے، وہ عموم یہ ہے (ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ) علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس توضیح سے معترض کا سارا نظریہ تباہ وبرباد ہو گیا۔

اعتراض

ولا ضرورۃ فی الستیجار علی القراءۃ علی القبر۔

اعتراض: جناب والا! قبر کے پاس قرآن کریم پڑھنے پر اجرت لینے کی ضرورت نہیں۔

میں کئی وجوہ سے اس کا جواب دیتا ہوں

وجہ اول

علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فیہ جواز الاجرۃ لتلاوۃ القرآن کما مر أنفا۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں تلاوت قرآن کریم پر اجرت لینے کا جواز ہے۔

وجہ دوم

وجہ دوم یہ ہے کہ میں نے عبارات کثیرہ سے ثابت کیا کہ تمام اقوال میں مختار قول یہ ہے کہ تلاوت مجرد پر اجرت لینا جائز ہے۔

وجہ سوم

تیسری وجہ یہ ہے کہ دیکھئے مرحوم کی مغفرت، مرحوم کا انس والفت اور مرحوم سے عذاب قبر میں تخفیف، یہ تمام مرحوم کی ضروریات ہیں، مرحوم کو مذکورہ تمام اشیاء کی ضرورت ہے۔ اور مرحوم کی یہ مذکورہ تمام ضروریات قرآن کریم کی تلاوت کی برکت سے پوری ہو سکتی ہیں، مگر افسوس کہ معترض کو مذکورہ ضروریات، ضروریات نظر ہی نہیں آتیں، (العیاذ باللہ)

اعتراض

والمأخوذ منها حرام للأخذ وهو عاص بتلاوة والذكر لاجل الدينا ويمنع القارى للدنيا والأخذ والمعطى اثمان۔

جناب والا! تلاوت قرآن کریم اور ذکر کے عوض جو کچھ لیا جائے وہ لینے والے کے لئے حرام ہے اور دنیا کے حصول کے لئے جو تلاوت کرتا ہے یا دنیا کے حصول کے لئے ذکر کرتا ہے وہ دونوں گنہگار ہیں جو قاری دنیا کے حصول کے لئے قرآن کریم کی تلاوت کرے اسے منع کیا جائے، اس صورت میں عوض دینے والا اور عوض لینے والا دونوں گنہگار ہیں۔

میں کئی وجوہ سے اس کا جواب دیتا ہوں

وجہ اول

یہ حرمت و معصیت و گناہ اس بات پر مبنی ہیں کہ جب متقدمین کے اس قول **لا یجوز الاستیجار علی الطاعات** کا معنیٰ مرادی **یحرم الاستیجار** کیا جائے جبکہ **لا یجوز الاستیجار علی الطاعات** کا معنی یحرم الستیجار کرنا غلط ہے کیونکہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب مبسوط میں

خود اس عبارت کا مرادی معنی یوں کیا ہے۔ای لا یجب الاجر ، امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا مرادی معنٰی یحرم نہیں فرمایا۔

سو عدم وجوب جواز کے منافی نہیں، جس طرح کہ میں نے اقوال اول میں بہت ساری کتابوں سے جواز کا ذکر کر دیا ہے،فارجع الیہ ان شئت۔

وجہ دوم

وجہ دوم یہ ہے:

یہ کہنا(وھو عاص بتلاوۃ والذکر لاجل الدنیا و یمنع القاری للدنیا)کہ دنیا کے حصول کے لئے ذکر و تلاوت کرنے والا گنہگار ہے ایسے قاری کو تلاوت کرنے سے منع کیا جائے، یہ قول غلط اور مردود ہے۔

دیکھئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَقُلۡتُ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا(۱۰) یُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡكُمۡ مِّدۡرَارًا(۱۱) وَّ یُمۡدِدۡكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّ بَنِیۡنَ وَ یَجۡعَلۡ لَّكُمۡ جَنّٰتٍ وَّ یَجۡعَلۡ لَّكُمۡ اَنۡهٰرًا ؕ(سورۃ نوح ۱۲)

(حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں)

پس میں نے اپنی قوم سے کہا، معافی مانگو اپنے رب سے وہی اللہ معاف فرمانے والا ہے، بھیجے گا اللہ تم پر موسلا دھار بارش اور اللہ تعالیٰ تمہاری امداد فرمائے گا،مال اور بیٹوں سے اور بنا دے گا اللہ تعالیٰ تمہارے لئے باغ اور بنائے گا اللہ تعالیٰ تمہارے لئے نہریں۔

قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہوا کہ طاعات میں مشغول ہونا خیر و برکت اور وسعت رزق کا سبب ہوتا ہے، نیز دنیا اور اموال و اولاد اور باغات اور نہریں اور مغفرت کے حصول کے لئے

استغفار پڑھنا دلیل قطعی ہے احادیث صحیح و اقوال صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین و اقوال تابعین سے ثابت ہے۔

وجہ سوم

تیسری وجہ یہ ہے

کہ معترض کا قول مبنی ہے طاعات پر اجارہ صریحہ کی صورت میں جبکہ یہاں اجارہ صریحہ نہیں، سو یہ اعتراض ہی بے جا ہے، نیز میں نے "عادۃ مستمرہ" اور "المعروف کالمشروط" کی بحث میں خوب وضاحت کی ہے، فارجع الیہ ان شئت۔

اعتراض

فالحاصل ان ماشاع فی زماننا من قراءۃ الاجزاء بالاجرۃ و حینئذ فقد ظھر لک بطلان ما اکب علیہ اھل العصر من الوصیۃ بالختمات و التھالیل۔ (الیٰ آخرہ)

ولو لا الاجرۃ ما قرء احد لاحد فی ھذا الزمان بل جعلوا قرآن العظیم کسبا و وسیلۃ الیٰ جمع المال لعلمھم انھم لا یذھبون الا بالاجرۃ البتۃ۔

جناب والا! اقوال سابقہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں لوگ مرحوم کے گھر میں جمع ہوتے ہیں اور ایصال ثواب کے لئے قرآن کریم کے پارے پڑھتے ہیں، جبکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اہل مصر علماء نے (مسلمانوں کو) اس طرح وصیت کرنے سے منع کیا ہے کہ میرے لئے (میرے مرنے کے بعد) قرآن کریم کے ختم یا ذکر و اذکار کیا جائے۔

بلکہ قاریوں نے قرآن کریم کو مال کمانے اور مال ملنے کا وسیلہ بنالیا ہے، نیز اگر مال ملنے کی امید نہ ہو تو ہمارے زمانے میں کوئی بھی کسی کے لئے قرآن کریم کی تلاوت نہ کرے (پھر صاحب خانہ کو بھی معلوم ہے کہ یہ لوگ) اجرت لئے بغیر میرے ہاں نہیں آئیں گے۔

میں کئی وجوہ سے اس کا جواب دیتا ہوں

وجہ اول

معترض کا کہنا (ان ماشاع فی زماننا من قراءۃ الاجزاء بالاجرۃ) غلط ہے کیونکہ میں "عادۃ مستمرہ" کی بحث میں ذکر کر آیا ہوں اس میں اجرت کی شرط نہیں سو یہ افتراء ہے۔

وجہ دوم

کہ معترض کا یہ کہنا (ولو لا الاجرۃ ما قرء۔۔۔۔ لا یذھبون) غلط ہے، یہ مسلمانوں پر افتراء ہے نیز یہ قول المعروف کالمشروط پر مبنی ہے جس کے میں نے بائیس جوابات دیئے ہیں شوق ہو تو المعروف کالمشروط کی بحث میں دیکھ لیجئے۔

وجہ سوم

کہ معترض کا یہ قول (ظھر لک بطلان ما اکب علیہ اھل العصر من الوصیۃ بالختمات والتھالیل) مردود ہے۔ وصیت کے بطلان کی بحث میں میں نے بحمدہ تعالیٰ چہار (۴) جوابات دیئے ہیں، فارجع الیھا ان شئت اگر چاہے تو اس بحث میں ملاحظہ کرلے۔

وجہ چہارم

مات رجل فاجلس وارثہ رجلا یقرأ القرأن علی وبرہ، تکلموا فیہ منھم من کرہ ذلک والمختار انہ لیس بمکروہ ویکون الماخوذ اجر فی ھذا الباب قول محمد و لھذا حکی وعن الشیخ ابی بکر العیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ اوصیٰ عند موتہ بذلک ولو کان مکروھا لما اوصی بہ۔[300]

---

[300] ذکرہ الولواجی، شلبی ج ۱، جنازۃ ۲۴۶

صاحب تتار خانیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان وفات پاجائے اور مرحوم کے ورثاء اس کی قبر کے پاس قرآن کریم پڑھنے کے لئے قاری کو بٹھائے تو آیا یہ جائز ہے یانہ؟

صاحب تتار خانیہ فرماتے ہیں کہ اس میں فقہاء کے دو نظریئے ہیں۔ بعض نے فرمایا ہے مکروہ ہے(قال بعضهم يكره)

اور بعض نے فرمایا ہے مکروہ نہیں(والمختار انه لا يكره)یہی مختار قول ہے۔

صاحب تتار خانیہ اپنا نظریہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کہ اگر کوئی مسلمان وفات پاجائے اور مرحوم کے ورثاء اس کی قبر کے پاس قرآن کریم پڑھنے کے لئے قاری کو بٹھائیں تو آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

صاحب تتار خانیہ فرماتے ہیں:

اس میں فقہاء کے دو نظریئے ہیں۔

بعض نے فرمایا ہے، مکروہ ہے(قال بعضهم يكره)

اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے مکروہ نہیں،(والمختار انه لا يكره)یہی مختار قول ہے۔

صاحب فتاویٰ تتار خانیہ اپنا نظریہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

میرے نزدیک احوط قول یہ ہے کہ اس سے صاحب مزار کو فائدہ ہوگا۔

صاحب فتاویٰ الولوالجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

کیا قبروں کے پاس قرآن کریم کی تلاوت مکروہ ہے، صاحب فتاویٰ الولوالجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جواب دیتے ہیں، اس مسئلہ میں فقہاء کے دو نظریئے ہیں۔

(ا) امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، مکروہ ہے۔

(۲) جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، مکروہ نہیں۔

البتہ علماء احناف نے امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے اور اسی پر عمل کیا۔

صاحب فتاویٰ الولوالجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، دوسرا مسئلہ یہ ہے۔

کہ اگر کوئی مسلمان وفات پا جائے اور مرحوم کے ورثاء اس کی قبر کے پاس قرآن کریم پڑھنے کے لئے قاری کو بٹھائے (تو آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟)

صاحب فتاویٰ الولوالجی فرماتے ہیں اس میں بھی فقہاء نے کلام فرمایا۔

یعنی اس میں بھی دو نظریئے ہیں۔

(۱) ایک نظریہ کے مطابق قبر کے پاس قاری کو اس لئے بٹھانا کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کرے مکروہ ہے (منهم من كره ذلك)

(۲) دوسرا نظریہ یہ ہے کہ قبر کے پاس قاری کو اس لئے بٹھانا کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کرے سو یہ مکروہ نہیں۔

صاحب فتاویٰ الولوالجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اس باب میں (یعنی اس مسئلہ میں) امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہی نافذ العمل ہو گا۔ (ويكون الماخوذ به فی هذا الباب قول محمد رحمة الله تعالىٰ عليه)

صاحب فتاویٰ الولوالجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں شیخ ابو بکر العیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب قریب المرگ ہوئے تو آپ نے وصیت فرمائی کہ جب میری روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے تو میری قبر کے پاس قاری بٹھانا تا کہ وہ میری قبر کے پاس قرآن کریم کی تلاوت کرے۔

صاحب فتاویٰ الولوالجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر قبر کے پاس قاری کو بٹھا کر قرآن کریم پڑھوانا ناجائز ہوتا تو حضرت شیخ ابو بکر العیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایسی وصیت کیوں فرماتے، اتنے عظیم فقیہ کا اس انداز سے وصیت فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ قبر کے پاس قاری کو قرآن کریم پڑھنے کے لئے بٹھانا جائز ہے۔

وقال محمد بن الحسن لا یکرہ القراءۃ عند القبور لماروی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ اوصیٰ ان یقرأ علی قبرہ وقت الدفن بفاتح السورۃ البقرۃ و خواتھما شرح القاری علی الفقہ الاکبر (۱۵۸)

صاحب شرح فقہ اکبر لکھتے ہیں:

امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ قبروں کے پاس قرآن کریم کی تلاوت کرنا مکروہ نہیں، اپنے اس قول کی دلیل دیتے ہوئے امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی کہ میرے دفن کے وقت سورۃ البقرہ کا پہلا رکوع اور آخری رکوع پڑھا جائے۔[301]

الاکل والشرب بعد ختم القرآن مقاصد السنیۃ سے ماخوذ ہے۔

حررہ:

العبد الفقیر السید احمد علی شاہ ترمذی حنفی سیفی

حال فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن

جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ

[301] المقاصد السنیہ از مفتی اعظم سرحد مفتی شائستہ گل القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ